فہرست مضـــامین

﴿نوٹ﴾

مندرجات سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں۔

کسی قسم کی عدالتی چارہ جوئی صرف دہلی کی عدالت میں قابل سماعت ہوگی۔

اداریہ

پہلی قسط

تذکرہ خانوادۂ رضویہ

بزبان حضرت شوکت میاں علیہ الرحمہ داماد مفسر اعظم

ترتیب: فیضان المصطفٰے قادری

گزشتہ مہینے تاج الشریعہ مدظلہ العالی کو اپنے لائق وفائق داماد مفتی شعیب رضا کی جوانی میں رحلت کا صدمہ ہوا، اس کے چند دنوں بعد ہی اپنے بہنوئی حضرت شوکت میاں (کراچی) کی رحلت کا صدمہ سہنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ اس موقع پر مفتی محمد قمر الحسن بستوی مدظلہ العالی سے دوران گفتگو حضرت شوکت میاں کے بارے میں بڑے اچھے تاثرات ملے، ساتھ ہی انہوں نے فرمایا کہ ۱۹۹۹ء میں جب موصوف ہیوسٹن (امریکہ) آئے تھے اس دوران ان سے مجلسی گفتگو میں بزرگوں کے تعلق سے کافی معلومات حاصل ہوئیں، بلکہ مفتی صاحب موصوف نے مجلسی گفتگو کو ریکارڈ کر کے محفوظ بھی کرلیا تھا، وہ اب تک محفوظ ہے، جس میں خاندانِ اعلی حضرت کے تعلق سے بڑی معلومات افزا باتیں ہیں، میں نے مفتی محمد قمر الحسن بستوی دام ظلہ العالی سے وہ کیسٹیں حاصل کر کے پورے ذوق وشوق سے سنا اور سوچا کہ اس گفتگو سے جو معلومات حاصل ہوئیں انھیں ترتیب دے کر اپنے قارئین کی نذر کروں۔

مختصر تعارف حضرت شوکت میاں علیہ الرحمہ:

حضرت مولانا محمد شوکت حسن خاں قادری رضوی نوری، ۷؍جون ۱۹۲۹ء میں بریلی میں پیدا ہوئے، ۱۸؍جون ۲۰۱۷ء مطابق ۲۲؍رمضان ۱۴۳۸ھ شب میں وصال فرمایا۔ آپ کے والد محمد شاہ حسن خاں صاحب حضرت حجۃ الاسلام کے دور میں منظر اسلام میں فارسی کے استاذ رہے، حضرت شوکت میاں کا خاندان رضویہ سے یہ رشتہ ہے کہ آپ کی شادی حضرت مفسر اعظم ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں کی بڑی صاحب زادی یعنی حضور تاج الشریعہ کی سب سے بڑی بہن سے ہوئی۔ آپ ۱۹۵۶ء میں پاکستان ہجرت کر گئے۔ پاکستان ایئر لائنز (پی آئی اے) میں ملازم رہے۔ خاص بات یہ رہی کہ خواہ بریلی کالج میں تعلیمی دور ہو یا پی آئی اے میں طویل ملازمت کا عرصہ، آپ نے کبھی پینٹ کوٹ نہیں پہنی، نہ

داڑھی منڈائی، ہمیشہ شرعی داڑھی اور پاجاما شیروانی کو اپنا شعار بنایا۔آپ نے حضور مفتی اعظم ہند کی بہت صحبت اٹھائی۔ اپنے خسر حضرت جیلانی میاں رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ پاکستان آئے تو نیوی میں حضور حجۃ الاسلام کے ایک مرید خالد جمیل چیف آف اسٹاف تھے۔انھوں نے روک لیا اور پی آئی اے میں ملازمت دلا دی، اور ۱۹۸۹ء میں اس سے ریٹائر ہوئے، خانوادۂ رضویہ کے تعلق سے معلومات کا خزانہ تھے، اور بزرگوں کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں کرتے تھے۔ اِس سال رمضان شریف ۱۴۳۸ھ کی تیئسویں شب میں کراچی میں وصال ہوا، وصیت کے مطابق حضرت محدث کبیر کے صاحبزادے حضرت مفتی عطاء المصطفیٰ کراچی نے نماز جنازہ پڑھائی، پسماندگان میں دو صاحب زادے اور پانچ صاحب زادیاں ہیں۔اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریق رحمت فرمائے۔آمین

نوٹ: درج ذیل تفصیلات حضرت شوکت میاں علیہ الرحمہ کی مجلسی گفتگو پر مشتمل ہے، یہ مجلسی گفتگو دو کیسٹوں میں حضرت مفتی محمد قمر الحسن بستوی صاحب خطیب النور مسجد ہیوسٹن کے پاس محفوظ ہے۔مفتی صاحب موصوف کو خانوادۂ رضویہ سے قلبی لگاؤ ہے، اس لیے انھوں نے بڑے شوق سے ریکارڈ کیا ہے، اور جا بجا سوالات کر کے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ گفتگو میں جملے عموماً غیر مرتب ہوتے ہیں جن کی ترتیب وتدوین آسان کام نہیں، پھر بھی راقم الحروف نے بڑے احتیاط سے اسے مرتب کرنے کی کوشش کی ہے۔ان تفصیلات میں کوئی بات یا گفتگو کے جزئیات سے کچھ اہل علم کے لیے غور طلب ہو تو فی البدیہہ گفتگو میں ایسا امکان رہتا ہے، لہٰذا ایسے مقامات کی اطلاع دینی چاہیے۔مجموعی طور یہ گفتگو دلچسپ اور معلومات افزا ہے، بلکہ ان تفصیلات کا ایک بڑا حصہ ہمارے لیے بھی نیا تھا، ہم نے چاہا کہ قارئین بھی اس سے محظوظ ہوں، لہٰذا ہم حضرت مفتی محمد قمر الحسن صاحب کے شکریہ کے ساتھ اسے شائع کر رہے ہیں۔

حضرت شوکت میاں کی گفتگو درج ذیل بزرگوں کے تذکرے پر مشتمل ہے جسے منتشر طور پر بیان کیا گیا ہے جنھیں یہاں یکجا کر دیا گیا ہے۔قوسین کی عبارت وضاحت کے لیے مرتب کا اضافہ ہے۔

(۱) اعلیٰ حضرت (۲) حجۃ الاسلام (۳) مفتی اعظم ہند (۴) صدر الشریعہ (۵) مفسر اعظم ہند (۶) علامہ ضیاء الدین مدنی (۷) محدث اعظم پاکستان (۸) حضور تاج الشریعہ (۹) خادم خاص اعلیٰ حضرت حاجی کفایت اللہ مرحوم۔

خاکپائے بزرگاں: فیضان المصطفےٰ قادری

(۱) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز:

اعلیٰ حضرت کے والد گرامی علامہ نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کے تین صاحبزادے تھے: (۱) اعلی حضرت امام احمد رضا عرف امن میاں (۲) مولانا حسن رضا (۳) مولانا محمد رضا۔علامہ نقی علی خاں علیہ الرحمہ کی اتنی جاگیریں تھیں-چودہ گاؤں- کہ ان کی ماہانہ آمدنی اس زمانے میں ایک ہزار ہوتی تھی، اس زمانے میں جب کہ ایک ہزار کیش کسی کے پاس نہیں ہوتا تھا، جیسے آج کل کروڑ پتی کہلاتے ہیں ویسے اس زمانے میں ہزار پتی کہلاتے تھے۔آپ کے والد ماجد نے کل جائیداد کا کاغذ اعلیٰ حضرت کو دیا تو اعلیٰ حضرت نے کہا: اباجان ایسے تو میں امیر ہو جاؤں اور میرے دونوں بھائی غریب رہیں۔فرمایا کہ تم کو دین کے کام سے فرصت نہیں ملے گی، خرچ کیسے چلے گا؟ اور یہ لوگ کام کر لیں گے۔پھر انھوں نے آدھی جائیداد اعلیٰ حضرت کے نام کی اور آدھی جائیداد دونوں بیٹوں کے نام، اور قسم کھائی کہ اب اس کو تبدیل نہیں کروں گا۔

اعلیٰ حضرت نے یہ کیا کہ والد کا وصال ہوا تو (آمدنی) والدہ کو سپرد کردی، والدہ اعلیٰ حضرت کا (خرچ) ان کی اہلیہ کو دیتیں، اور دونوں بھائیوں کا ان کو۔تو جو پیسہ بچتا اور اس سے جائیداد خریدی جاتی تو اپنے نام نہیں کراتے ،ان بھائیوں کے نام کراتے ، یہ پھاٹک جو ایک مکان تھا یہی ایک مکان تھا، پھر دوسرا مکان خریدا مزار شریف کے پیچھے جس میں منانی میاں ہیں استاذ زمن کے نام کرادیا، اور جس میں مفتی اعظم تھے یہ جب مکان خریدا تو چھوٹے بھائی (محمد رضا خاں) کے نام کرادیا، اب تینوں کے مکان ہوگئے۔ اور جائیداد دونوں بھائی کی (بھی) برابر ہوگئی۔

(اعلیٰ حضرت کا) ایسا ٹائم ٹیبل تھا کہ منٹ ٹو منٹ ان کے اوقات تھے، گھڑی نہیں رکھتے تھے، مگر جو ٹائم بتاتے تھے وہی ہوتا تھا، دھوپ گھڑی صحن میں بنائی تھی۔صرف نکاح پڑھاتے تھے، شادی بیاہ میں نہیں جاتے تھے۔اعلیٰ حضرت کی اتنی مصروفیت تھی کہ سارے کام آپ کے بھائی کرتے تھے، ایک مرتبہ اہلیہ نے کہا کہ بچی کی شادی کی تاریخ لینے (لڑکے والے) آرہے ہیں، فرمایا: تو انتظام تو کچھ نہیں، بولیں: سب انتظام ہے، کھانے کے مسالے آگئے ہیں، پس گئے ہیں ، پوچھا: کس نے کیا؟، بولیں منجھلے میاں نے (حضرت حسن رضا خاں نے)، فرمایا: (منجھلے میاں!) تم جو میرا کام کرتے ہو اور مجھے فرصت دیتے ہو تمھیں بھی اس کا ثواب پہنچتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے چھوٹے بھائی (محمد رضا خاں) تھے، حضرت مفتی اعظم ہند کے خسر، ان کا انتقال ہوا سن ۶۰ ، ۶۵ کے درمیان، صحیح یاد نہیں۔ان کی ایک ہی صاحبزادی تھیں جو مفتی اعظم کی اہلیہ تھیں، ایک صاحبزادے تھے علی رضا جن کا (کم عمری میں) وصال ہوگیا، جیسے حضرت مفتی اعظم کے ایک صاحبزادے تھے انور رضا جن کا (کم عمری میں) وصال ہوگیا۔حضرت مفتی اعظم کی اہلیہ کی ماں بھی اپنے گھر میں ایک ہی تھیں، اس لیے ان کی والدہ کو ان کے ماں باپ کی کل جائیداد ملی۔

اعلیٰ حضرت تو کثیر العیال تھے اور خرچ بہت تھا، اور ان کے چھوٹے بھائی جو تھے ان کی صرف ایک ہی بیٹی، اور بیٹی کی جو اولاد ہوئیں وہ ان کی سر پرستی (فرماتے)، تو ان کے پیسے جمع ہوتے تھے، اعلیٰ حضرت کے یہاں جمع نہیں ہوتا تھا، (اعلیٰ حضرت) فرماتے تھے: میرے اوپر کبھی زکاۃ فرض نہیں ہوئی۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ چھوٹے بھائی نے اپنی بیوی کے لیے سونے کے کڑے بنوادیے تھے، تو کسی نے اعلیٰ حضرت سے کہا: دیکھیے آپ کے بھائی نے اپنی اہلیہ کے لیے کڑے بنوادیے، یعنی یہ تاثر دینے کے لیے کہ آپ کی کمائی سے بنوائے۔فرمایا: ''میرے بھائی کو اگر اللہ تعالیٰ نے اتنا عطا کیا کہ (سونے کے) کڑے بنوادیے تو مجھے خوشی ہوئی، اور اگر میرے پیسے سے بنوادیے تو بھی مجھے خوشی ہوئی کہ میرے بھائی نے میرے پیسے کو اپنے پیسے سمجھے''۔ وہ صاحب دم بخود، آپ نے فرمایا: میرے دونوں بھائی میری دونوں آنکھیں ہیں۔دونوں آنکھوں پر یاد آیا کہ ایک صاحب نے سوال کیا کہ غوث اعظم افضل ہیں یا امام اعظم؟ فرمایا دونوں میری آنکھیں ہیں، بولے: سیدھی آنکھ کون سی ہے؟ فرمایا: شریعت میں الٹا ہے ہی نہیں، سیدھا ہی سیدھا ہے۔

اعلیٰ حضرت مرید نہیں کرتے تھے، (لوگ مرید ہونے آتے تو) فرماتے تھے: نوری میاں فلاں دن تشریف لائیں گے آپ لوگ آجایئے گا، ایک دن نوری میاں تشریف لائے تو دیکھا کہ مجمع لگا ہوا ہے ، سمجھ گئے کہ اعلیٰ حضرت بیعت نہیں کرتے ، (نوری میاں نے) فرمایا: آپ بیعت نہیں کرتے؟ بولے: میں اپنے کو اس لائق نہیں سمجھتا۔برجستہ نوری میاں صاحب نے فرمایا: تو کیا آپ کے پیر و مرشد نے 'نااہل' کو خلافت دیدی؟ میری موجودگی میں بیعت کریے! پھر (ایک بار نوری میاں سے اعلیٰ حضرت کے) مریدوں نے شکایت کی کہ ہم نذرانہ لے جاتے ہیں اور حضرت قبول نہیں کرتے، نوری میاں نے فرمایا: مولانا! آپ کی نظر سے حدیث پاک ضرور گزری ہوگی کہ کوئی تحفۃً نذرانہ پیش کرے تو اسے قبول کرلینا چاہیے۔(پھر) قبول کرلیتے تھے، لیکن

ایک صندوقچہ تھا، اس میں کل نذرانے کا پیسا ہوتا تھا، نذرانے کا پیسہ کبھی گھر کے خرچ میں نہیں دیتے تھے، احتیاط، کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے گھر کے خرچ میں خرچ ہوجائے۔ اس کا دو مصرف ہوتا تھا، ایک' بیواؤں یتیموں کو دیتے تھے، کسی کو پتہ نہیں ہوتا تھا کہ کس کو کیا دیتے ہیں؟ (دوسرے مصرف کا ذکر نہیں، ممکن ہے دارالعلوم ہو۔ف)

تو دونوں شاہزادگان (حجۃ الاسلام اور مفتی اعظم ہند) اور مفتی اختر رضا خاں میں بھی یہ بات ہے کہ کہیں ہوں کبھی کسی سے فرمائش نہیں کرتے، اور بہت اپنے معاملات کو صحیح رکھتے ہیں۔ حضرت مفتی اعظم کو بھی میں نے دیکھا، دھورا، گونڈل، جام نگر، اپلیٹل، پور بندسب (طرف سے لوگ) آتے تھے، نوٹوں کی گڈیاں حضرت کی خدمت میں پیش کرتے تھے، (تو آپ) فرماتے تھے: یہ کیا ہے؟ بولتے: حضرت آپ کی نذر، فرماتے: نہیں، اتنے پیسے کا میں کیا کروں گا؟ نہیں نہیں، بہت کہتے تو ایک نوٹ اٹھالیتے، فرماتے: میں نے قبول کیا، میری طرف سے اپنے بچوں کو دیدیں۔

حاجی ہاشم جمال سب سے پہلے کاٹھیاواڑ میں اعلیٰ حضرت کے مرید ہوئے، بہت چاہتے تھے، انھوں نے کہا: حضور! کاٹھیاواڑ پیسے والے لوگ ہیں، دیوبندی لوگ جاتے ہیں، آپ اگر تشریف لے جائیں تو دین کا کام ہوگا۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: ''حاجی صاحب، آپ دیکھتے ہیں، فقیر کو کہاں فرصت ہے؟''۔کوئی (زیادہ) سفر نہیں کیا، حج میں دوبار سفر کیا، اور ایک طویل سفر جبل پور، اور پٹنہ سنی کانفرنس میں تشریف لے گئے۔ اعلیٰ حضرت کے سفر کا طریقہ یہ تھا کہ پوری بوگی ریزرو ہوتی، کیونکہ نماز کے اوقات کا ٹائم ٹیبل ریلوے کو دیا جاتا تھا، کہ فلاں وقت اگر ٹرین نہ رکے تو یہ ڈبا کاٹ دیا جائے۔ پلیٹ فارم پر نماز پڑھتے تھے، حاجی صاحب نے پورا ڈبا ریزروا کرادیا، جانے کی پوری تیاری ہوگئی، حضرت مفتی اعظم کے ایک ہی ماموں تھے حضرت امجد رضا، وہ اپنا نام رکھتے تھے' نوری گدا امجد رضا'، رامپور کے پاس ایک گاؤں ہے وہاں کے تھے، (حاجی ہاشم جمال) ان سے کہنے لگے: اعلیٰ حضرت تشریف لیے جارہے ہیں، دارالعلوم کا چندہ بہت ہوجائے گا، اعلیٰ حضرت نے سن لیا، فرمایا: حاجی صاحب! فقیر اب سفر نہیں کرے گا، آپ نے کہا: مدرسے کا چندہ بہت ہوجائے گا، میں پیسے کے لیے جاؤں گا؟ ہرگز نہیں، کہا: حضور! آپ کے لیے تھوڑی کہا، فرمایا: تو مدرسہ بھی تو میرا ہی ہے۔ دینا ہے تو بھیج دیں، میں مدرسے کے چندے کے لیے جاؤں گا؟ میں تو اس لیے جارہا تھا کہ دین کی ترویج ہوگی، آپ نے کہہ دیا، پیسہ بہت اکٹھا ہوگا۔ حاجی صاحب کو بڑا رنج ہوا اعلیٰ حضرت کاٹھیاواڑ نہیں گئے۔

حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ:

اعلیٰ حضرت نے حجۃ الاسلام کو سبقاً سبقاً پڑھایا، ان کا اعلیٰ حضرت کے سوا کوئی استاذ نہیں، کبھی کبھی جلال بھی فرماتے تھے ذرا دیر ہوجائے تو، ایک دفعہ ایسا ہوا کہ دادی حیات تھیں اور یہ اولاد کی اولاد میں سب سے بڑے تھے اور بچپن سے بڑے خوبصورت تھے تو دادی ان کو بہترین کپڑا پہناتی تھیں، آخری وقت تک ان کا بڑا فاخر لباس ہوتا تھا، مفتی اعظم کا لباس تو فقیر منش تھا، جو مل گیا پہن لیا، تو بریلی میں عربی گھوڑے بکنے آئے، حجۃ الاسلام نے دادی سے کہا: ہمیں گھوڑا خرید دیجیے، کہا: کتنے کا ہے؟ کہا: تین سو روپے کا ہے، تو دادی نے تین سو چاندی کے روپے دے دیے، انھوں نے گھوڑا خریدا اور گھوڑے کی سواری کو گئے، وہ وقت نکل گیا جو اعلیٰ حضرت کے پڑھانے کا تھا، اعلیٰ حضرت بڑے جلال میں، ایک دن کے ناغے میں، اور یہ نہیں کہ جب آئیں تو باپ سے منھ چھپالیں، چلے گئے، اب اعلیٰ حضرت نے کیا کیا، گرمی کا زمانہ تھا، رات کو لوگ چھت پر سوتے تھے، پلنگ پڑے تھے، تو پلنگ کے پائے کے نیچے حجۃ الاسلام کا ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے۔ دادی کو کسی نے کہا، وہ فرشی پاجامے پہنتی تھیں، چھت پر بڑی مشکل سے چڑھیں، ٹھوس کڑے

پہنے تھیں، تو ایسے اعلیٰ حضرت کی پیٹھ پر دو ہاتھ مارے، تو کڑے جو تھے پیٹھ پر نشان پڑ گئے۔ اعلیٰ حضرت والدہ کا بڑا ادب کرتے تھے، بولیں: امن میاں! (اعلیٰ حضرت کا گھریلو نام) حامد پر اتنی سختی کرتے ہو تم؟ تمھیں پتہ نہیں کتنا چاہتی ہوں میں؟ اتنی سختی کرتے ہو تم، بس (اعلیٰ حضرت نے) ہاتھ جوڑ کر کہا:........... آٹھویں پشت ہے میں یہ چاہتا ہوں میرے خاندان میں علم جاری رہے، اور حامد کو میں یوں سبقاً سبقاً پڑھاتا ہوں کہ اس کے علم میں کمی نہ ہو۔

سید حسین علی رضوی نے مجھ سے بتایا: کہ مولانا معین الدین نے حجۃ الاسلام سے کہا (اجمیر شریف حاضری میں کہ) حضور دارالعلوم (معینیہ عثمانیہ) کا معائنہ کر لیجیے، تو حضرت نے معائنہ کیا، پھر معائنہ رجسٹر رکھ دیا کہ لکھ دیجیے، فرمایا: عربی میں لکھ دوں فارسی میں لکھ دوں یا اردو میں؟ انھوں نے کہا: عربی میں لکھ دیں، تو پورا صفحہ حضرت نے عربی میں لکھ دیا، پھر رخصت ہوئے۔ تو (حسین علی رضوی) کہتے ہیں کہ میں حضرت کو گھر پہنچا کر فوراً واپس آ گیا کہ دیکھوں یہ لوگ کیا تبصرہ کرتے ہیں! فرماتے ہیں: جب میں واپس آیا تو مولوی معین الدین اور سب لوگ حضرت کی تحریر کی عربی کے لیے لغت تلاش کر رہے ہیں۔

مولانا عبدالباری فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ جو کانگریس میں ہو گئے تھے اور سبھی ہو گئے تھے، بس اعلیٰ حضرت اور ان کے خلفا بچے تھے، اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے تو غضب ہی کر دیا، گاندھی کو جامع مسجد کے ممبر پر بیٹھایا اور قرآن پاک کی آیت پڑھی اور بولے یہ آیۃ من آیات اللہ ہے۔ اعلیٰ حضرت نے بڑی گرفت کی کہ آپ نے ایسا کہا، جواب نہ ملا، تو ایک رسالہ لکھ دیا۔ الطاری الداری۔ اس درمیان اعلیٰ حضرت کا وصال ہو گیا، اور خدام الحرمین کانفرنس لکھنؤ ہونے کو تھی تو صدرالافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ الاسلام سے فرمایا کہ حضور اس میں آپ کی شرکت ضروری ہے، کیونکہ یہ اہل سنت کا اجتماع ہے اور نجدیوں کے خلاف ہے تو بریلی شریف سے شرکت نہیں ہوگی تو اچھی بات نہیں، اور آپ چونکہ صاحبِ سجادہ ہیں اس لیے آپ کی شرکت ضروری ہے۔ آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے میں چلوں گا۔ صدرالافاضل ساتھ تھے، مولانا عبدالباری استقبال کو آئے، سارے رجواڑے ان کے مریدین تھے، فرنگی محل بہت اعلیٰ مرکز تھا اور پھر سلسلہ قادریہ (سے وابستہ تھے) تو ان کو پتہ چلا تو رجواڑے نواب سب (کو لے کر) بڑا زبردست استقبال کو آئے۔ صدالافاضل فرماتے ہیں کہ میں پیچھے تھا اور حجۃ الاسلام آگے، (لکھنؤ) اترے تو سب سے پہلے مولوی عبدالباری صاحب ملنے آئے، تو حضرت نے ہاتھ ہٹالیا اور فرمایا میں آپ سے مصافحہ ابھی نہیں کروں گا اور نہ سلام، اتر گئے۔ بریلی میں نہیں، ان (مولانا عبدالباری) کے شہر میں، قیام کے لیے بولا، فرمایا: میرے مرید ہیں ان کے یہاں قیام کروں گا۔ اب صدرالافاضل کو بڑی فکر ہوئی، وہ مولانا عبدالباری صاحب کے پاس گئے، فرمایا کہ جو گرفت اعلیٰ حضرت نے فرمائی ہے وہ صحیح ہے؟ یا آپ نے جو کہا وہ صحیح ہے؟ فرمایا: نہیں، جو اعلیٰ حضرت نے گرفت فرمائی ہے وہ صحیح ہے، میں نے غلط کیا ہے، چونکہ صاحب نسبت تھے، اس لیے اللہ نے فضل فرمایا۔ فرمایا: جب آپ نے غلط کیا تو آپ توبہ لکھیے، تو ان کے پوتے تھے مولانا عبدالوالی صاحب، ان سے کہا: قلم دوات کاغذ لاؤ، وہ لائے، تو انھوں نے (توبہ) لکھ دیا، انھوں نے (مولانا عبدالوالی نے) کہا کہ اگر آپ نے یہ توبہ نامہ لکھ دیا تو یہ بریلوی ہمیشہ آپ پر غالب رہیں گے، کہیں گے ہم نے توبہ کرائی، فرمایا: کیا تم یہ کہتے ہو کہ میں نار کو عار پر ترجیح دیدوں؟ توبہ لکھ دی، پھر صدرالافاضل علیہ الرحمۃ حجۃ الاسلام کے پاس لے کر آئے، اس کے بعد حضرت خود گئے، معانقہ کیا، مصافحہ کیا، (کہا) آپ میرے بھائی ہیں میرا آپ کا ذاتی نہیں، یہ دین کا معاملہ تھا، اب آپ (حجۃ الاسلام) جب واپس آئے تو صدرالافاضل کہنے لگے کہ حضور! آپ کی جگہ میں ہوتا تو میرے اندر یہ استقامت نہیں تھی، آپ تو اعلیٰ حضرت کے صاحبزادے ہیں آپ نے جو استقامت دکھائی ہے میں نہیں کر سکتا۔

بنارس ریلوے میں حجۃ الاسلام کے ایک مرید تھے وزارت رسول (مولانا ہدایت رسول رام پوری کے لڑکے) وہ گارڈ تھے، جب حجۃ الاسلام کلکتہ بنارس (ہوتے ہوئے جاتے) تو وہ اپنی ڈیوٹی اسی ٹرین سے کرا لیتے۔ وہ سناتے ہیں کہ حضرت اچانک بنارس پہنچ گئے، بارش ہو رہی تھی، ہم لوگ حیران کہ حضرت نے اطلاع بھی نہیں کی اور ایک دم پہنچ گئے، فرمایا کہ اس طرف جنگل میں ایک جگہ مجھے جانا ہے، ایک صاحب میرے ساتھ ہوں، بارش ہو رہی تھی، (چلے) وہاں ایک بزرگ ملے، حضور حجۃ الاسلام ان کے آگے بیٹھے، اور انھوں نے کہا: اپنا دامن پھیلایئے، اور تین دفعہ انھوں نے اپنے دامن سے ایسے ایسے کرکے ان کے دامن میں (ڈالا) اور کچھ بات چیت نہیں ہوئی، میں ساتھ تھا، پھر تشریف لائے، اور واپس لوٹے ۔ (وزارت رسول) وہیں کا واقعہ سناتے تھے کہ ایک ہندو عورت تھی وہ ہمارے گھر پر آئی اور اس نے حضرت (حجۃ الاسلام) سے کہا کہ میرے کوئی اولاد نہیں، دعا کر دیجیے کہ میرا لڑکا ہو۔ حضرت نے فرمایا تمہارے دو لڑکے ہوں گے، یہ یہ نام رکھنا لیکن ایک شرط یہ ہے کہ مسلمان ہو جاؤ، مسلمان ہو جاؤ گی تو دو لڑکے ہوں گے۔ اس ہندو عورت نے اپنے میاں کو جا کر راضی کیا، تو دونوں آ کر مسلمان ہوئے اور مرید ہوئے، میاں کا نام تو عبدالہادی رکھا، وہ تو (بریلی) آیا کرتے تھے، ان کو دو لڑکے ہوئے، تو وہ کلکتے چلے گئے، لیکن وہ لوگ بریلی آ کر حجۃ الاسلام کا عرس کرتے، عبدالہادی مزاج کے اعتبار سے ذرا سی بات پر ناراض ہو جاتے تو حجۃ الاسلام ان کی پاس داری کرتے، فرماتے: اس کا بڑا خیال رکھو، کہ یہ سب کچھ چھوڑ کر مسلمان ہوا، ایسا نہ ہو کہ یہ مایوس ہو۔

حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے آخری عرس جو کیا تو مجمع کے سامنے کہا کہ آئندہ عرس مصطفےٰ میاں (مفتی اعظم ہند) کریں گے۔ لوگ سمجھ گئے، بنارس تشریف لے گئے وہاں بھی کہا، چتوڑ گڑھ اور کلکتے میں بھی کہا، کہ فقیر کا یہ آخری سفر ہے۔ حاجی غلام رسول بتاتے ہیں کہ ان سے کہا: حاجی صاحب! مجھے جیلانی کی فکر نہیں ہے، نعمانی کی فکر ہے، اس کا آپ خیال رکھیں، یوں فرمایا کہ یہ (جیلانی میاں) تو صاحب سجادہ تھے، علم میں بھی زیادہ تھے، وہ (نعمانی میاں) چھوٹے صاحبزادے تھے۔ حاجی غلام رسول صاحب جب کراچی آئے تو نعمانی میاں صاحب کو مع فیملی کے کراچی بلایا۔ نعمانی میاں کا سن ۵۵ میں چالیس پینتالیس سال کی عمر میں ان کا انتقال ہو گیا۔

مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ:

جیسا کہ اعلیٰ حضرت کا معمول تھا ایسے ہی حضرت مفتی ہند کے معمولات تھے کہ سب کے بعد سوتے سب سے پہلے اٹھتے، مگر نماز ہر وقت مسجد میں پڑھتے تھے۔ ہولی کے دنوں میں چار پانچ دنوں تک لوگ مسجد نہیں آتے تھے، مگر آپ اکیلے مسجد جاتے، مسجد کھولی جھاڑو دی، اذان کرتے اور اکیلے (فجر کی) نماز پڑھی۔ اور پھر اس کے بعد بیٹھک میں بیٹھتے، ہجوم شروع ہو جاتا، اور دو بجے تک اٹھتے، اور اندر جا کر لوگوں کے کھانے کا فرماتے کہ لوگوں کے کھانے کا کیا ہے؟ اتنے علما آئے ہیں۔ چوبیس گھنٹے حضرت کے گھر چولہا جلتا تھا، بجھتا نہیں تھا۔ اور باہر آ کر دیکھتے (پوچھتے) کہ آپ لوگوں کے پاس کھانا آیا؟ پھر کھانے بیٹھتے، پھر ڈھائی بجے تین بجے تھوڑا سا قیلولہ کرتے، پھر اس کے بعد ظہر کی نماز میں جاتے، پھر بیٹھک میں تشریف لاتے، اس کے بعد عصر پھر مغرب پھر عشا، مسجد میں ہی پڑھتے تھے اگر چہ اکیلے ہی ہوں۔ عشا کے بعد کھانا تناول فرماتے تھے۔ حضرت کھانا کھانے بیٹھ گئے تو ہم یہ کرتے تھے کہ حضرت کا حقہ تازہ کر کے خوب بھر کر رکھ دیا، اگر گرمی ہوتی تو باہر کرسی ہوتی تھی اور جاڑہ ہے تو بیٹھک کے اندر، تو (اس کے بعد) سب چلے گئے، اب میں اور حضرت رہ گئے۔ ہم نے کہا: حضور آپ کو اعلیٰ حضرت کی کوئی بات (بتایئے)، تو حضرت بتاتے ۔ جب (رات کے) بارہ بجتے تو فرماتے: اب بیٹھک بند کر دو، کرسی اندر ڈال دی۔

اب ایک کرامت ۔ (اس کے بعد) دو گھنٹے جو بیٹھک میں

رہتے تھے یہ نہیں دیکھا کہ دو گھنٹے کیا کرتے تھے۔ میں نے حضرت کو باہر لوگوں کے سامنے وظیفے کرتے نہیں دیکھا، تسبیح نہیں رکھتے تھے، بس نماز کے بعد یا عزیز یا اللہ نماز پڑھ کر بیٹھ کر انگلی پر پڑھ لیتے، لیکن کبھی وظیفہ پڑھتے نہیں دیکھا، اپنے معمولات کرتے ہوں گے، اس میں ایک خاص عمل وہ بتاؤں گا۔ (ایک بار) ہم نے مفتی اعظم کے پاس ''جن'' کو دیکھا۔ اس دو گھنٹے کا بعد میں پتہ چلا جب حضرت مفتی اعظم کا وصال ہوگیا، اعلیٰ حضرت کے (ایک) خلیفہ تھے مولانا محمد جان صاحب پشاوری، پشاور کے تھے لیکن جودھپور میں آکر رہ گئے تھے، اعلیٰ حضرت نے اپنے خلفا کے بارے میں جو اشعار کہے ہیں مفتی اعظم فرماتے تھے کہ یہ اشعار اعلیٰ حضرت نے مواجہہ شریف میں کھڑے ہو کر کہے ہیں۔ سب سے پہلا شعر اپنے بڑے صاحبزادے کے بارے میں: **حامدٌ منّي انا من حامد** ۔ حمد سے حمد کماتے یہ ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسین منی وانا من حسین''، تو صحابہ کرام نے عرض کیا حضور آپ سے حسین ہیں اولاد ہیں، آپ حسین سے؟ فرمایا: حسین سے ہی میری نسل جاری رہے گی۔ اسی طرح اعلیٰ حضرت نے فرمایا، کب فرمایا؟ جب (یہ ظاہر نہیں ہوا تھا کہ) مفتی اعظم سے بیٹے نہیں، ایک صاحبزادے انور رضا ہوئے کم عمری میں وصال فرما گئے، اس سے پہلے یہ فرمایا تھا: حامد منی انا من حامد، چنانچہ حجۃ الاسلام سے ہی ان کی نسل چل رہی ہے۔

دو گھنٹے کی بات: ان (مولانا محمد جان پشاوری) کے پوتے کے بیٹے اور ایک نواسے ہیں وہ کراچی تشریف لائے بنگلہ دیش سے، حضرت (مفتی اعظم) کا سوئم تھا۔ وہ قاری مصلح الدین صاحب کے یہاں آئے تھے۔ انھوں نے یہ واقعہ سنایا کہ حضرت مفتی اعظم ہند ہمارے یہاں آئے ہوئے تھے تو تعویذ والے اور مریدین کی بڑی بھیڑ تھی، جب رات کے ڈھائی بج گئے تو فرمایا: اب آپ یہ دروازہ بند کردیں اور نہیں کھولیں، اب لیٹ گئے، وہ اوپر چلے گئے، بی بی نے کہا: عجیب بات ہے حضرت نے کھانا نہیں کھایا، بولے: چلو اب کھانا کھانے کا وقت نہیں رہا، اب صبح ناشتہ کرائیں گے، یہ دودھ کا پیالہ لے جاکر پلا دو، تو وہ ہاتھ میں دودھ لے کر آئے اور دروازہ کھول دیا، دیکھا سر کدھر ہے دھڑ کدھر ہے ہاتھ پیر کٹے ہوئے ہیں، وہ تو گھبرا گئے بس گھبراہٹ میں گلاس چھوٹ گیا اوپر جاکر بیوی سے کہا، واپس آئے تو دیکھا حضرت صحیح بیٹھے ہیں۔ فرمایا: میں نے آپ سے کہا تھا آپ دروازہ نہیں کھولیں گے، لیکن یہ جو بات تم نے دیکھی میری زندگی میں کسی کو نہیں بتانا۔ اب وصال ہوگیا تو یہ بتا رہا ہوں۔ ہم (شوکت میاں) گھر میں رہتے تھے، کبھی خیال نہیں ہوا کہ دیکھیں جاکر کہ وہ دو گھنٹے کیا کرتے ہیں؟ اور ان کے گھر والوں کو بھی خیال نہیں کہ کیا کرتے ہیں۔

(حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے پاس) جب کوئی سفر خرچ بھیجتا تو اپنے پاس نہ رکھتے تھے، (سفر میں) جو ساتھ جاتا اس کو دیدیتے کہ سفر میں اسے خرچ کرو اور جب وہاں پہنچو تو حساب لکھو اور باقی پیسے واپس دیدو، کیوں کہ یہ سفر خرچ کے ہیں۔ اور تھرڈ کلاس تھری ٹائیر سے سفر کرتے۔ ایک بار کلکتہ مفتی شریف الحق صاحب کے ساتھ جا رہے تھے، میں نے عرض کیا کہ حضرت تھری ٹائر سے اتنا لمبا سفر۔ فرمایا: اپنے تھوڑے سے آرام کے لیے لوگوں کا اتنا پیسا ضائع کردوں۔ لیکن جب کبھی کسی عرس میں جاتے یا کسی دارالعلوم کے جلسے میں جاتے تو اپنے خرچ سے جاتے اور فرسٹ کلاس سے جاتے تھے۔ صدر الافاضل کے عرس میں جانا تھا، مجھ سے فرمایا: تم چلو گے؟ عرض کیا: جی چلوں گا، اب سامان رکشے پر رکھ دیا گیا، اور تعویذ والے چھوڑے نہیں، گھڑی دیکھی تو ٹرین چھوٹنے کا وقت ہوگیا، جب چلے تو ابھی چوپلے تک پہنچے جہاں ریلوے لائن ہے، وہاں دیکھا کہ سگنل ڈاؤن ہے اور ٹرین جا رہی تھی، میں نے عرض کیا حضرت ٹرین تو جا رہی ہے، فرمایا اچھا اب آئے ہیں تو نوری مسجد چلتے ہیں۔ نوری مسجد جنکشن پر ہے جسے اعلیٰ حضرت نے اپنے پیسے سے بنوائی، اس میں کھدا ہوا ہے کہ اس کے لیے چندہ نہیں لیا جاتا۔ حضرت اس کے متولی تھے تو کبھی کبھی جاتے تھے، جب رکشہ وہاں رکا

تو قلی سامان لینے کے لیے بڑھے۔ اتنے میں دیکھا کہ ٹرین واپس آنے لگی، قلی کے ذریعہ سامان رکھا، ہم ٹرین میں بیٹھ گئے اور ٹرین چل دی۔ بریلی میں زیادہ تر گارڈ حضرت کے مرید تھے۔ جب ٹرین آگے رکی تو سید عمار رسول گارڈ تھے، میں نے کہا کہ سید صاحب کیا ہوا؟ بولے وہ گولا کلیرنس کا وہیں رہ گیا تھا۔ یہ سنا سنایا (واقعہ) نہیں، میں ساتھ تھا۔

(حضور مفتی اعظم) فرماتے تھے چائے میں تین خصوصیت ہونی چاہیے ''لب ریز''، یعنی بھری ہوئی، ''لب دوز''، یعنی اتنی میٹھی کہ ہونٹ چپک جائیں اور ''لب سوز''، یعنی اتنی گرم کہ ہونٹ جلیں۔

حضرت مفتی اعظم کو میں نے دیکھا (فرماتے) کہ میرے مدرسے کے چندے کی اپیل میری موجودگی میں نہ کی جائے۔ حالانکہ جس مدرسے میں ہوتے جب اپیل ہوتی تو سب سے پہلے صدری میں حضرت کا ہاتھ جاتا، اور دس بیس نہیں دیتے تھے، سوسو کے نوٹ نکال کر دیتے تھے، اور جب حضرت دیتے تو ڈھیر لگ جاتا، سب دینے لگتے، لیکن اپنے مدرسے کے لیے کبھی نہیں کہا۔ مولانا ارشد القادری سناتے تھے، حضرت مبارک پور اشرفیہ بہت جاتے تھے، ایک بار حضرت تشریف لے گئے، حافظ ملت نے اس دن کہیں تقریر کا وعدہ کرلیا تھا، جس دن حضرت پہنچے، پتہ چلا تو فرمایا کہ آپ نے وعدہ کرلیا ہے، آپ ضرور جائیں، ورنہ وہ لوگ پریشان ہوں گے، میں تو یہاں ہوں کیونکہ اگلے دن مدرسے کا جلسہ تھا، چلتے وقت حضرت کو ایک لفافہ روپیہ رکھ کر دیا، حضرت نے کہا: کیا ہے یہ؟ تو عجلت میں نکل گیا کہ حضرت یہ کرائے کا ہے، فرمایا: میں کرائے کا مولوی ہوں؟ اتنی ندامت ہوئی کہ کیا زبان سے نکل گیا۔

حضرت مفتی اعظم ''دھوراجی'' نہیں کہتے تھے، ''دھوراجی'' مورتی کا نام ہے، (جس کے نام سے اس شہر کا نام دھوراجی پڑا)، ''دھورا'' کہتے تھے۔ ''رام پور'' کبھی نہیں کہتے تھے، بولتے: ''رام'' کا نام لوں؟ کبھی یہ فرماتے تھے: مرادآباد سے پہلے ایک شہر ہے، کبھی حامد علی خاں (جو شیعہ ہوگئے تھے) کی وجہ سے کہتے تھے ''حرام پور'' جارہا ہوں، کسی نے ''مہاتما گاندھی'' کہہ دیا، فرمایا: استغفر اللہ، توبہ کرو، کیا معنی ہیں مہاتما کے؟ تمھیں معلوم؟ ''مہا'' کے معنی 'اعظم' اور ''آتما'' معنی 'روح'، اس کو 'روح اعظم' کہہ دیا تم نے؟ توبہ کرو۔ کسی نے سکھ کو ''سردار جی'' کہہ دیا، فرمایا: 'سردار' کیا مطلب؟ اس کو سردار کہہ دیا؟ کسی نے کہہ دیا 'حضور وہ عدالت میں ...'، (فرمایا) استغفر اللہ، عدالت کیا؟ عدالت تو مسلمان کی ہوتی ہے، کچہری کہو، ایسی احتیاط! میں کیا بتاؤں، میں تو رات دن حضرت کی خدمت میں رہا، بڑے اعلیٰ نسب پٹھان تھے، کبھی کبھی جلال بھی آتا تھا، لیکن کبھی ایسا جملہ جلال میں نہیں نکلا جو غلط ہو، اعلیٰ نسب پٹھان اور جب جلال آئے، فرماتے: کروروں بار لاحول، استغفر اللہ، کروروں بار لاحول، کوئی کہتا: ''کم بخت بد بخت''، فرماتے: مسلمان کبھی کم بخت بد بخت نہیں ہوتا۔ ایک دفعہ ایک مولانا صاحب کوئی مضمون لکھ کر لائے، اس میں اعلیٰ حضرت کا ذکر تھا، اس میں انھوں نے تحریر فرمایا تھا کہ اعلیٰ حضرت بلا کے ذہین تھے۔ (اس پر فرمایا) استغفر اللہ، یہ ''بلا'' کا لفظ اعلیٰ حضرت کے ساتھ آپ نے لگا دیا، حالانکہ عرف عام میں بولتے ہیں بلا کی ذہانیت ہے۔

سرکار مفتی اعظم ہند کے گھر کے سب لوگ حضرت نوری میاں مارہروی سے بیعت ہیں، اور حضرت حسن میاں مارہروی کی اہلیہ مفتی اعظم ہند سے بیعت ہیں۔ حضرت حسن میاں نے مفتی اعظم ہند سے کہا کہ نجیب میاں کی والدہ کی بیعت کر لیجیے، فرمایا: میں بیعت کرلوں؟ نہیں نہیں، آپ اپنے خاندان میں بیعت کرائیے، آپ لوگ پیرزادے ہیں۔ (حسن میاں نے فرمایا): حضرت! بیعت ہونا ایسا معاملہ ہے کہ جس سے دل لگ جاتا ہے دوسرے سے تھوڑی (ارادت ہو پاتی ہے)۔ حضرت (مفتی اعظم) نے کہا: جو میں کہوں وہ یہ کہیں، لیکن ان کی آواز میں نہ سنوں، پھر نجیب میاں کو بیعت کرایا۔ وہ لوگ کہتے تھے کہ مفتی اعظم ہند ہمارے خاندان کے بزرگ ہیں۔

میں (شوکت میاں) عرس اعلیٰ حضرت کے بعد مارہرہ شریف

گیا، حضرت (حسن میاں) بہت علیل تھے، اندر ہی بلا لیتے تھے، باہر تشریف لائے، اور دو گھنٹے تک اعلیٰ حضرت اور حجۃ الاسلام کا ذکر کرتے رہے۔ فرماتے: میں اپنے بزرگوں کا ذکر کبھی کبھی کرتا ہوں، لیکن اعلیٰ حضرت کا ذکر کثرت سے کرتا ہوں۔ مولانا محمد میاں تاج العلما کی شادی نو محلے شریف کی سیدانی بی کی بیٹی سے ہوئی تھی نو محلے کی مسجد اور اسلامیہ کالج یہ سب ایک سید مجو میاں تھے ان کی جائیداد تھی، محمد میاں کی اہلیہ یعنی اپنی ممانی کے ساتھ 'حسن میاں صاحب چھوٹے سے تھے اعلیٰ حضرت کے گھر میں آتے تھے، ان کو گھر کا سب نقشہ پتہ تھا، اور حدائق بخشش کے تو حافظ تھے، ذرا سا بھی کوئی اعلیٰ حضرت کے سلام میں کچھ ملا دیتا تو بہت ڈانٹتے تھے کہ اعلیٰ حضرت کے کلام میں تم اپنا کیوں ڈالتے ہو، اپنی بیٹھک میں بتاتے تھے کہ یہاں مفتی اعظم کی پلنگ رہتی تھی جس پر آرام کرتے تھے، ایک مرتبہ (مفتی اعظم ہند) اس پر آرام کر رہے تھے کہ میں نے نجیب میاں سے کہا کہ تمہارے پیر ہیں ان کی قدم بوسی کرلو، ویسے تو کرنے نہیں دیتے تھے، تو نیند لگی، جیسے ہی ہاتھ لگایا فوراً اٹھ بیٹھے جیسے کرنٹ لگ گیا، بولے: ارے کیا کر رہے ہیں آپ؟ استغفر اللہ۔ حضرت حسن میاں رحمۃ اللہ علیہ بمبئی میں تھے جب مفتی اعظم ہند کا انتقال ہوا فرمایا میری ہمت نہیں ہوئی کہ میں بریلی جاؤں۔

جب ۱۹۷۱ء میں حج کو گئے ہیں جس میں گورنمنٹ آف انڈیا نے فوٹو سے اکزمپٹ (مستثنیٰ) کیا تھا، جہاز میں بیٹھے تو خالد میاں کہتے ہیں کہ حضرت نے دعا کی کہ کوئی سنی عالم مل جائے جو میری نمازوں کی امامت کرے، تو مفتی محمد حسین سکھر والے منیٰ میں پہنچ گئے۔ (مفتی اعظم نے) کہا: کہاں ہے آپ کا سامان؟ یہاں لے کر آیئے، رات ہوگئی حضرت دیر سے تو لیٹتے ہی تھے، سب نے کہا حضور آرام کر لیجیے، بتی بجھا دی، بستر کر دیا، لیٹے۔ مفتی محمد حسین کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت کی نیند شروع ہوگئی ہے تو میں نے پاؤں کی طرف اپنا بستر بچھا لیا، میں بستر بچھا کر ابھی پورا لیٹ نہیں پایا تھا کہ ایک دم اٹھ گئے، (کہنے لگے) استغفر اللہ، کیا کر رہے ہیں آپ؟ میرے پاؤں کی طرف، مومن کی عزت تو کعبے سے زیادہ ہے، کعبے کی طرف تو پیر کرنے کا حکم نہیں تو میرے پیر مومن کی طرف ہوں؟ عرض کیا حضرت! آپ میرے پیر ہیں، فرمایا: نہیں نہیں۔ کبھی کبھی فرماتے تھے کہ فقیر علما کی جوتی سیدھی کرنے کے لائق نہیں، علما کو اعزاز دیتے تھے، تاکہ مرید دیکھیں۔

حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال اعلیٰ حضرت کے پندرہ سال بعد ہوا۔ اتفاق سے حضرت اشرفی میاں رحمۃ اللہ علیہ کا لاہور ایک مہینے قیام رہا، تو ایک مرید نے کہا: حضور! ایسا کہیں ہوا ہی نہیں کہ ایک مہینے آپ کا قیام اور آپ کی موجودگی میں قوالی نہیں؟ فرمایا: بات یہ ہے کہ اس سید کی اشرفیت پر رضویت غالب ہے، اس لیے یہاں قوالی نہیں ہوگی۔ ان (حضرت اشرفی میاں کے) کے ایک مرید تھے بریلی میں پرانے شہر میں، جب پہنچتے تو فرماتے فوری مجھے سوداگری محلے لے چلو، ایسا نہ ہوا کہ مولانا (اعلیٰ حضرت) کو خبر ہو تو وہ آ جائیں۔ اعلیٰ حضرت کو (اشرفی میاں کی آمد کی) اطلاع نہیں دی جاتی تھی، پھر بھی ان کی سواری آتی تھی تو اعلیٰ حضرت پھاٹک پر کھڑے ہوتے تھے۔ (اشرفی میاں کے) ایک ہی صاحبزادے تھے مولانا سید اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا مختار اشرف صاحب کے والد، اور ان کے بعد کوئی صاحبزادہ نہیں ہوا، (اشرفی میاں) بڑے سے بڑے عالم کو کچھوچھہ شریف میں رکھ کر ان (مولانا سید اشرف) کو تعلیم دلا سکتے تھے، مگر ان کو بریلی شریف اعلیٰ حضرت کے یہاں بھیجا، اعلیٰ حضرت نے ان کو خلافت بھی دی، الاستمداد میں ہے: اشرف سے شرف پاتے یہ ہیں۔ حجۃ الاسلام کے بعد انھیں سید احمد اشرف صاحب کا نام ہے، پھر صدر الشریعہ کا، میرا امجد مجد کا پکا، اس سے بہت کچھاتے یہ ہیں۔ اور چونکہ مولانا برہان الحق صاحب اور مفتی اعظم ہم عمر تھے اور ان میں دوستی بھی بہت تھی، مولانا برہان الحق صاحب تین سال رہے، (اعلیٰ حضرت نے) ان کو اپنا روحانی بیٹا بھی کہا، تو دونوں کا نام ایک شعر میں لیا: آل الرحمٰن برہان الحق، شرق پہ برق گراتے یہ ہیں۔

حضرت محدث اعظم ہند مفتی اعظم ہند کی بہت تعظیم کرتے تھے، دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ چومتے تھے۔

حضرت مفسر اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی حیات میں بھی حضرت حجۃ الاسلام کے بعد حضرت مفتی اعظم ہی عرس (عرسِ اعلیٰ حضرت) کرتے تھے، اور انھیں کے نام سے پوسٹر نکلتا رہا، اور سارا خرچ حضرت (برداشت کرتے تھے)۔ اور یہ عرس رضوی کی خصوصیت ہے پورے ہندوستان پاکستان میں کہ اس عرس کے لیے چندہ نہیں کیا جاتا۔ اور قل شریف کے بعد جو لوگ نذرانہ دیتے وہ جمع کر کے یہ نہیں کہ اپنی جیب میں رکھ لیں، جو منتظم تھے داروغہ رحمت مرحوم اعلیٰ حضرت کے مرید تھے ان کو دے دیتے عرس کے خرچ میں، وہ کہتے کہ یہ اتنا ہے اور خرچ یہ ہے، فرماتے: جتنا زیادہ خرچ ہوا ہے وہ مجھ سے لے لو۔ جب حضرت سخت علیل تھے تو آخری دو یا تین عرس رحمانی میاں نے کیے ہیں۔

حضرت کے جنازے کے غسل کے وقت مفتی اختر رضا خاں بھی بیٹھے تھے، ریحان رضا خاں سبطین رضا خاں یہ سب لوگ تھے۔ ہوا سے چادر کھلی تو حضرت (مفتی اعظم) نے ایسے چادر انگلیوں سے پکڑ لی، اس کے بعد بڑی مشکل سے لوگوں نے وہ چادر انگلیوں سے نکالی۔ ہندوستان کی تاریخ میں اتنا بڑا جنازہ نہیں ہوا۔ پوری بریلی بھر گئی تھی تو باہر لوگوں کو روک دیا، دو تین لاکھ تو ہندو تھے، اور تین دن تک بریلی کا بازار بند رہا جو کبھی بند نہیں ہو، ہندو مسلم کوئی دکان نہیں کھلی۔

صدرالشریعہ علیہ الرحمہ:

سید حسین علی رضوی کہتے ہیں جب صدرالشریعہ جامعہ معینیہ (اجمیر شریف) میں تھے تو مولوی معین الدین' صدرالشریعہ سے چشمک رکھتے تھے، تو حجۃ الاسلام تشریف لے گئے، ان کو پتہ چلا کہ کچھ لوگ صدرالشریعہ کو ہٹانا چاہتے ہیں تو کمیٹی کے سامنے خود کہا کہ میں حضرت صدرالشریعہ کو بریلی شریف لینے آیا ہوں۔

بڑی نادر بات ہے یہ اعزاز کسی کو حاصل نہیں ہوا (جو صدرالشریعہ کو حاصل ہوا کہ) جب صدرالشریعہ (بریلی) تشریف لاتے تو دونوں بھائی اسٹیشن جاتے حضور حجۃ الاسلام اور حضور مفتی اعظم، اور کبھی میں بیچ میں صدرالشریعہ بیٹھتے ایک طرف حجۃ الاسلام ہوتے ایک طرف مفتی اعظم ہوتے۔ اور (مفتی اعظم ہند) جب پہلے حج کو سن ۴۵ میں گئے ہیں تو لکھ کے گئے کہ صدرالشریعہ کو میں اپنی جگہ دے کر جا رہا ہوں، اعلیٰ حضرت کا عرس یہ کریں گے۔ اور جب حجۃ الاسلام کا وصال ہوا تو (مفتی اعظم) فرماتے تھے کہ میں نے جانشین اعلیٰ حضرت صدرالشریعہ کو بنایا، تو حضور صدرالشریعہ اور صدرالافاضل نے زبردستی اعلیٰ حضرت کا جبہ (مفتی اعظم کو) پہنایا، ایک نے ایک آستین ڈالی دوسرے نے دوسری، بس ایک ہی بار پہنا، پھر نہیں پہنا، اور بہت آبدیدہ ہوئے۔ مگر صدرالشریعہ کو اعلیٰ حضرت کا جانشین کر دیا۔ اور صدالشریعہ کو بھی بہت محبت تھی خاندان اعلیٰ حضرت سے۔ مولانا رحم الٰہی صاحب جو مفتی اعظم کے استاذ بھی تھے، اعلیٰ حضرت کے سامنے ایک مقدمہ پیش ہوا کہ صدرالشریعہ اعلیٰ حضرت کے مرید و خلیفہ ہیں اور مولانا رحم الٰہی بھی، تو صدر مدرس کون رہے گا؟ تو اعلیٰ حضرت نے فیصلہ فرمایا: ایک مہینہ صدر مدرس میں مولانا امجد علی کا نام لکھا جائے گا، دوسرے مہینے مولانا رحم الٰہی صاحب کا۔

صدرالشریعہ سے جیلانی میاں بھی پڑھتے تھے اور تقدس میاں بھی پڑھتے تھے، اعجاز ولی خاں بھی پڑھتے تھے۔ ایک صاحب نے ایک دن صدرالشریعہ سے کہا: حضرت! ان بچوں کو آپ پڑھا کر قابل کیے دے رہے ہیں تو پڑھ کے یہ آپ کو کچھ نہیں سمجھیں گے، صدرالشریعہ نے فرمایا: مولانا! یہ میرے پیر کی اولاد ہیں، اس سے بڑھ کر کیا اعزاز ہوگا کہ میرے پیر کی اولاد کو میری معرفت علم حاصل ہو، مجھے بڑی خوشی ہوگی۔

میں (شوکت میاں) نے خود دیکھا ہے جب دوسرے حج (کے سفر کے لیے بریلی) میں صدرالشریعہ تشریف لائے مفتی اعظم

کے ساتھ ہی بمبئی گئے، تو رات آٹھ بجے کا وقت تھا، بینائی برائے نام تھی، تو میں جیلانی میاں (مفسر اعظم) کے ساتھ اوپر ایک کمرہ میں بیٹھا تھا، ان کو خبر نہیں تھی، کسی نے کہا مفتی اعظم اسٹیشن گئے ہیں صدر الشریعہ تشریف لا رہے ہیں، پھر بتایا آگئے ہیں، انھوں (جیلانی میاں) نے کہا مجھے پتہ نہیں چلا ورنہ میں جاتا، کیوں کہ ان کے استاذ بھی تھے۔ تو صدرالشریعہ کا یہ معمول تھا کہ جب سوداگری محلے آتے تو مسجد میں آکر وضو فرماتے، اعلیٰ حضرت کے مزار پر فاتحہ پڑھتے، پھر جائے قیام پر آتے اور مفتی اعظم سے یا جس سے ملنا ہوتا ملتے۔ تو (صدرالشریعہ) مسجد میں وضو کر کے کھڑے ہوئے تھے کہ جیلانی میاں صاحب اتر کر پہنچے اور سلام کیا اور قدم بوسی کی صدرالشریعہ کی، بولے: کون؟ کہا حضور! میں جیلانی ہوں، بس پھر تو بہت چمٹایا۔　　(جاری)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(باقی صفحہ ۱۷ کا)......اور تکلیف واُداسی کی انتہا دوزخ کہلاتی ہے۔ جس طرح دُنیا میں کچھ مادّی ذرائع ایسے ہیں جو یا تو خوشی کا باعث بنتے ہیں یا نقصان پہنچاتے ہیں، اسی طرح ایسے ذرائع بھی یقینی ہونے چاہئیں جو دوسری دُنیا میں مسرت اور غم کی کیفیت کو دوبارہ پیدا کر سکیں...... خوشی پہنچانے والے ذریعے کا نام ''جنت'' اور تکلیفوں کے مسکن کا نام ''دوزخ'' رکھ دیا گیا ہے۔ انسان کا وجود جسم و روح، اس کی سرگرمیوں کا ذمہ دار ہے۔ لہٰذا روح اور جسم مل کر دوسری دُنیا میں اپنے کیے کا بدلہ پائیں گے۔'' (نفس مصدر، ص ۱۳)

اس تمثیل کا مقصد یہ ہے کہ دعوت و تفہیم دین کے لیے ضروری ہے کہ حالات و تقاضے کا لحاظ رکھ کر دین کی اشاعت کی جائے۔ اس سلسلے میں اگر عقلی دلائل سے بھی کام لینا پڑے تو قرآنی اسلوب میں اسے بھی برتا جائے، تا کہ فکر و نظر کی اصلاح کے ساتھ ہی عقائد اسلامی کی تربیت ہو، اور اسلام کا روشن و اُجلا چہرہ کھل کر سامنے آئے۔ اندھیروں میں بھٹکنے والے دین کی وادیِ زرخیز میں آ کر ایمانی بہار سے آشنا ہوں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

............باقی صفحہ ۲۸ کا............

امام سیوطی رحمہ اللہ حدیث متواتر کا حکم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اسی وجہ سے حدیث متواتر کے راویوں کے متعلق بحث وتمحیص کیے بغیر اس پر عمل کرنا واجب ہے''۔ (تدریب الراوی رسیوطی، النوع الثلاثون)

اگر ناصر الدین البانی خاتم الحفاظ رحمہ اللہ کی اس رائے کو ذہن میں رکھتا تو یقیناً آپ کے رسالہ کے بارے میں اس طرح کی رائے زنی کرنے سے ضرور پرہیز کرتا۔

ثالثاً: اگر تسلیم کر لیا جائے کہ ابدال کی حدیث کی ساری راویتیں ضعیف ہیں تو بھی یہ حدیث مقبول ہوگی، کیونکہ اس حدیث کی ساری رواتیں شدید ضعیف نہیں، بلکہ بہت ساری روایتیں ایسی ہیں جن میں ضعف اس قدر ہے کہ وہ ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتی ہیں۔ امام عجلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حدیث ابدال طرق کثیرہ کی وجہ سے قوی ہو جائے گی''۔ (کشف الخفاء رعجلونی، رقم: ۳۵)

امام ترمذی رحمہ اللہ حدیث حسن کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''وہ حدیث ہے جو شذوذ سے محفوظ ہو، اور حدیث کا کوئی راوی متہم بالکذب نہ ہونے کے ساتھ وہ حدیث فرد بھی نہ ہو، اس طور سے کہ یہ حدیث دوسری وجہ سے- جو پہلی وجہ سے اقوئ یا اس کی مثل ہو- مروی ہو''۔ (فتح المغیث رسخاوی)

اس تعریف کے پیش نظر حدیث ابدال کم از کم حسن یا حسن لغیرہ ضرور ہوگی، جو ائمہ کرام اور محدثین عظام کے نزدیک مقبول ہوتی ہے۔ بہر صورت اس تفصیلی بیان سے واضح ہو گیا کہ اس باب میں مخالفین کے اقوال و دلائل قابل التفات نہیں، اور حق وہی ہے جسے خاتم الحفاظ امام سیوطی اور دیگر ائمہ کرام رحمہم اللہ نے فرمایا، کیونکہ انہیں کے اقوال قواعد و اصول حدیث کے موافق ہیں۔ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو مضبوطی سے حق کو تھامے رکھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

☆☆☆

قرآنی اسلوبِ دعوت اور تفہیم دین کے عصری تقاضے

مولانا غلام مصطفیٰ رضوی (نوری مشن، مالیگاؤں)

قرآن مقدس کی رہنمائی تمام انسانیت کے لیے ہے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ نمونۂ عمل ہے۔ اس کی روشنی میں جب بھی مسلمان آگے بڑھے، دنیا پر غالب رہے۔ یہ غلبہ جذباتی نہیں، بلکہ حقیقی رہا۔ مسلمانوں کے علمی وفکری زوال میں اغیار سے زیادہ مسلمانوں کی غلطی وکوتاہی رہی۔ اس لیے بھی کہ اغیار کی روش سے مسلمان واقف ہی نہیں، عموی طور پر باخبر رہے ہیں۔ مسلمان کی کامیابی اسلام وقرآن کے دامن سے وابستگی میں ہی ہے۔ جہاں ان کا اسلام وقرآن سے تعلق و رشتہ کمزور ہوا ،زوال کی تیرگی سے دوچار ہوئے۔

موجودہ دور کا ایک اہم مسئلہ مغرب کا سائنسی غلبہ ہے۔ مسلمان اس سے احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ حالاں کہ اہلِ علم اس سے خوب واقف ہیں کہ کسی بھی علم کی بنیاد اس کے اصول وضوابط ہی ہوتے ہیں۔ مسلمانوں نے صدیوں تک علوم وفنون کی سرپرستی کی۔ قرآنی اصولِ علم کی بنیاد پر علم وفن خصوصاً سائنس کے ضابطے مسلمانوں نے ترتیب دیئے، اس کے لیے ایک مثال کافی ہوگی، جس سے اسلامی سائنس سے مسلمانوں کے رشتہ وتعلق کو سمجھنا آسان ہوگا۔ اہلِ بیت سے محبت مسلمان لازم جانتے ہیں۔ اہلِ بیت کے ایک فردِ جلیل ہیں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ۔ انھیں کے شاگرد گزرے ہیں جابر بن حیان، جنھیں علم کیمیا (Chemistry) کے بانی کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ اس علم کے ۱۰ ار بنیادی اصول آپ نے اپنی تحریر میں ایجاد کیے۔ اسی طرح میڈیکل سائنس کو بھی مسلمانوں نے مرتب کیا۔ علم طبیعات بھی مسلمانوں کی دین ہے۔ فلکیات، زیجات، اسطرلاب، جغرافیہ، علم الارض، علم ادویات، طب وجراحت کے اصول بھی مسلم حکما کی دین ہیں، لیکن ہماری اپنی کوتاہی سے ان علوم پر دوسروں کا اجارہ ہوا۔

ہر علم وفن میں کام کر کے مسلمانوں نے اسلام کی کامیاب تبلیغ کی ہے، اور اس علمی وسعت کا اندازہ قرآن مقدس کے اس درس سے ہوتا ہے: ''اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو'' (سورۃ النحل: آیت ۱۲۵)

مسلمانوں نے اچھی نصیحت اور حکمت وموعظت سے اسلام کا حقیقی چہرہ پیش کیا، جبھی دنیا متاثر ہوئی۔ موجودہ عہد میں اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے خائف، اسلام مخالف مشنریوں (جن میں یہود ونصاریٰ کے علاوہ زعفرانی میڈیا بھی شامل ہے) نے پروپیگنڈہ مہم شروع کر رکھی ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا، تشدد کی حمایت کرتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ یہ صرف اسلام سے دلوں کو دور کرنے کے لیے کیا گیا، تا کہ کوئی اسلام کے حسن سے متاثر نہ ہو جائے۔ تجزیاتی مطالعہ اس پروپیگنڈے کی اس رُخ سے دھجیاں بکھیرتا ہے کہ اس کے نتیجے میں گرچہ ایک طبقہ اسلام سے نفرت کے جذبات سے بھر گیا، لیکن جستجو اور تحقیق کے متوالے قرآن کے مطالعہ پر مائل ہوئے کہ اس مذہب کی مخالفت کے لیے اس قدر ہنگامہ آخر کیوں ہے؟ اس مطالعہ نے اس حقیقت کو اجاگر کر دیا کہ: ''بے شک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے''۔ (سورۃ آل عمران: آیت ۱۹) اس لیے بغیر عناد وتعصب کے جو مطالعہ کرتے ہیں، وہ آخر میں اسلام کے دامن میں ہی عافیت پاتے ہیں۔

ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اسلامی تعلیمات میں شدت ہے ،جب کہ اس کی فطری تعلیمات میں نرمی ایسی ہے کہ اس کی دعوت کے لیے بھی اسلام نے تشدد کو ممنوع قرار دیا۔اس کی اشاعت فطری انداز میں کی جائے گی، جس سے انسانیت کے لیے فائدہ ہے۔ جہاں فائدہ اور نجات ہو، انسان وہاں آسانی سے مائل ہو جاتا ہے۔کتنا دل نشیں ہے قرآن کا یہ اسلوب:''کچھ زبردستی نہیں دین میں، بے شک خوب جدا ہو گئی ہے نیک راہ گمراہی سے'' (سورۃ البقرۃ: آیت ۲۵۶) دین کی اشاعت میں نرم روی ہی کارآمد ہوگی۔سختی کی ضرورت وہاں آتی ہے جہاں بات آسانی سے تسلیم کرنا دشوار ہو۔دین تو ہر انسان کے لیے دعوتِ حق ہے،اس لیے اس میں سب احکام واضح ہیں، سب باتیں عقل میں آسانی سے آنے والی ہیں۔اس میں آسانی ہی آسانی ہے۔نرمی ہی نرمی ہے۔ضرورت غور وفکر کی ہے۔قرآن نے اس سلسلے میں یہ اسلوب دیا کہ:

(۱)''اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے کہ کہیں تمہیں عقل ہو''۔ (سورہ بقرہ: آیت ۷۳)

(۲)''اور اس لیے کہ وہ جان لیں کہ وہ ایک ہی معبود ہے اور اس لیے کہ عقل والے نصیحت مانیں''۔(سورۃ آل عمران: آیت ۱۹۰)

عقلی اسلوب میں دعوتِ دین کے امکانات کو پیش نظر رکھ کر مسلمانوں نے دعوتِ دین کے لیے سرگرمی دکھائی، عقلائے مغرب نے یہ منصوبہ بنایا کہ ۱۷رویں صدی صدی عیسویں میں یورپ نے جو صنعتی انقلاب برپا کیا اور اس کے نتیجے میں سائنسی مطالعہ کا رجحان بڑھا تو اب اسلام اس عقلی تحریک کے سامنے نہیں ٹک سکے گا،لیکن ان کا یہ زعم بہت جلد مسمار ہو گیا،اس لیے کہ قرآن مقدس نے جو پیش گوئیاں مستقبل سے متعلق کی ہیں،اور عقلی زاویے سے سائنسی مطالعہ کی افادیت پر زور دیا ہے، وہ منفرد بھی ہے اور قرآن کا فیصلہ تو اس کے نزول کے ساتھ ہی واضح ہو گیا تھا،لیکن اس کی جلوہ سامانی ہم اپنی آنکھوں سے موجودہ دور میں دیکھ رہے ہیں۔ قرآن مقدس نے عقلی سطح کے پیش نظر جو تعلیم دی،اس میں مثبت فکر نہاں ومستور ہے۔اس کے مقابل یورپ نے جو کچھ موشگافی کی ،اس میں انسانی لہو کی ارزانی اور انسانیت کی بربادی ہے۔جوہر سے بم بنانے کا کام لیا گیا، دفاعی قوت کا مقصد آبادیوں کو نیست ونابود کرنا ٹھہرا، جمہوری اقدار کی بحالی کے نام پر انسانی جانوں کا اتلاف کیا گیا۔اقوامِ مغرب کی چودھراہٹ کے نتیجے میں دنیا کے امن پسند ایسے انسان دشمن عناصر (صہیونیوں) سے نفرت کرنے لگے۔اس کا راست فائدہ اسلام کو یہ ملا کہ اسلام کے لیے جو پروپیگنڈہ کیا گیا تھا ،اس کا زور اہل دیانت افراد کے یہاں کچھ کم ہوا۔وہ سوچنے پر مجبور ہوئے کہ آخر کیوں اسلام کی ہی مخالفت کی جا رہی ہے؟

عقلی لحاظ سے اسلامی عقائد کی حکمت عملی سمجھنے کے لیے ایک مثال پیش کیے دیتا ہوں۔مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی تلمیذ رشید امام احمد رضا خاں محدث بریلوی نے جارج برنارڈ شا سے ۱۹۳۶ء میں ممباسا میں ایک مکالمہ کیا، جس میں برنارڈ شا نے یہ اعتراض کیا:''مجھے یہ معلوم کر کے بھی تعجب ہوا تھا کہ آپ نے نیروبی میں ''اسلام اور سائنس'' (Islam and Science) کے موضوع پر تقریر کی۔میرے لیے یہ سمجھنا دُشوار ہے کہ آپ قرآن کی روشنی میں ایسے لوگوں کے سامنے جنت اور دوزخ کا تصور کیسے پیش کرتے ہیں جو سائنس سے شغف رکھتے ہیں اور اُن کے ذہن بغیر دیکھے اور محسوس کیے کسی بات کو قبول نہیں کرتے۔'' (مبلغ اسلام اور جارج برنارڈ شا،ص۱۲،طبع نوری مشن مالیگاؤں)

اس کے جواب میں علامہ میرٹھی نے ارشاد فرمایا:''اب جیسا کہ قانون ہے کہ ہر چیز آگے بڑھ رہی ہے اور مائل بہ ترقی ہے تو اس ترقی کو بھی لامحالہ کوئی معراج ہونا چاہیے، جہاں یہ رُک جائے اور مزید ترقی کا امکان ختم ہو جائے۔آرام وخوشی اور تکلیف ورنج ایسی دو چیزیں ہیں جن کا سابقہ دُنیا میں انسان کو پڑتا رہتا ہے۔لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ان دونوں حالتوں کا کوئی انتہائی مقام ہو۔خوشی کی معراج [جنت]...... (بقیہ صفحہ ۱۵ پر)

حیات صدر الشریعہ	پانچویں اور آخری قسط

بارگاہِ اعلیٰ حضرت میں صدر الشریعہ کے آخری ایام

اور اجمیر شریف کا زمان تدریس بزبان صدر الشریعہ

ترتیب: بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان علیہ الرحمۃ

حضرت بحر العلوم مفتی عبد المنان علیہ الرحمہ نے حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے ان کے حالات وواقعات کے بارے میں اپنے طالب علمی کے دور میں ایک انٹرویو لیا تھا جو اب تک ہندوستان میں غیر مطبوعہ ہے، اس کی تین قسطیں ہم نے گزشتہ سال اگست ستمبر اکتوبر ۲۰۱۶ء میں اور چوتھی قسط گزشتہ ماہ جولائی ۲۰۱۷ء کے شمارے میں شائع کی، اب آخری قسط نذر قارئین ہے۔ اس انٹرویو میں اجمیر شریف قیام تک کاذکر ہے۔ اس کے بعد کے سوانحی حالات مثلاً ریاست دادوں علی گڑھ کا دور، دوسرے حج کے واقعات، بہار شریعت وحاشیہ طحاوی کی تصنیف وغیرہ کا ذکر نہیں آسکا، ہم چاہتے ہیں کہ آخر دور تک کے واقعات، سفر حج میں وصال اور کچھ معلومات کے اضافے کے ساتھ اسے مکمل انداز میں شائع کریں۔ امید ہے کہ قارئین ہمیں اپنے تاثرات سے نوازیں گے۔ (فیضان المصطفیٰ قادری)

وطن سے پھر بریلی گیا اور باقی ماندہ کام بدستور انجام دینے لگا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کی صحت کمزور ہوتی گئی اور علالت بڑھتی گئی، تبدیل آب وہوا کے لیے بھوالی تشریف لے گئے اور وہیں قیام جاری رکھا۔ اور یہ ارشاد فرمایا کہ جب تک سردی نہ آئے گی اس وقت تک بریلی نہ جاؤں گا، کیوں کہ سردی سے قبل جانے میں یہاں اور وہاں کی آب وہوا میں جو فرق ہوتا ہے اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ اس اثنا میں دو مرتبہ میں زیارت کے لیے بھوالی حاضر ہوا۔ مگر چوں کہ مدرسہ، پریس اور بریلی کے دیگر ضروری کام کی وجہ سے جو میرے متعلق تھے جن کی وجہ سے وہاں زیادہ قیام نہیں کرسکتا تھا۔

اس سال کا رمضان بھی اعلیٰ حضرت نے بھوالی پر ہی گزارا اور میں رمضان میں مکان (گھوسی) چلا آیا، اہلیہ کی حالت اور زیادہ خراب پائی، جس سے بہت افسوس ہوا۔ اور روز بروز ان کی حالت گرتی گئی، یہاں تک کہ رمضان شریف میں نشست و برخاست سے بھی معذور ہوگئیں، ان کی تیمارداری کے لیے صرف میں ہوں یا میرے لڑکے، اس زمانہ میں مولوی شمس الہدیٰ سلمہ کی شادی ہوچکی تھی، ان کی بیوی بھی موجود تھیں، مگر وہ اپنی نوعمری کی وجہ سے تیمارداری کے بہت کاموں سے ناواقف تھیں، پھر بھی اس بے چاری نے بہت خدمت کی، یہاں تک کمزوری کا عالم بڑھا کہ تیمّم بھی خود نہیں کرسکتی تھیں، کوئی دوسرا کرا دیتا، اور وہ لیٹے ہی لیٹے نماز ادا کرتیں۔ آٹھ شوال (۱۳۳۹ھ) عصر کے بعد، داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان کے انتقال کے بعد میرے سامنے مصیبتوں کا ایک پہاڑ تھا، دو بچے عبدالمصطفیٰ وعطاء المصطفیٰ چھوٹے چھوٹے، ان کی دیکھ بھال، گھر کی سب چیزوں کا انتظام، جن سے مجھے آج تک سابقہ نہیں پڑا تھا میرے لیے بہت دشوار تھا، ان سب بچوں کو اور شمس الہدیٰ کی اہلیہ کو لے کر بریلی گیا، اس کے سوا مجھے کوئی چارۂ کار نظر نہیں آیا کہ سب کو اپنے ساتھ رکھوں، ایک عظیم صدمہ پہنچ چکا ہے

اعلیٰ حضرت کا وصال

اعلیٰ حضرت قبلہ کی علالت اب روز بروز بڑھتی جارہی ہے، بھوالی سے تشریف لائے ہیں، کمزوری اتنی ہے کہ مسجد آدمی اور لاٹھی کے سہارے جو پہلے جایا کرتے تھے وہ بھی اب نہیں ہوسکتا، کرسی میں ڈنڈے باندھ دیے گئے، اس پر بیٹھا کر لوگ اٹھا کر وہاں پہنچاتے ہیں، کیوں کہ اعلیٰ حضرت ہمیشہ مسجد ہی میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ بیماری کی وجہ سے بھی مسجد جانا نہیں چھوڑا کرتے تھے۔ پچھلا جمعہ ادا کرنے کے بعد یہ ارشاد فرمایا کہ اب آئندہ جمعہ ملنے کی امید نہیں معلوم ہوتی، جمعہ کے بعد سے اب اتنی بھی طاقت نہ تھی کہ کرسی پر بٹھا کر مسجد میں لایا جاتا۔ اب مکان کے اندر ہی نماز ادا فرماتے، مگر باوجود اس کمزوری کے نماز کھڑے ہوکر ہی ادا کرتے تھے۔ لوگ پکڑ کر کھڑا کر دیا کرتے پھر چھوڑ دیتے اور فرض نماز اپنے آپ قیام کے ساتھ ادا فرمالیتے تھے، سنتیں بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے، شاید آخر میں دو چار نمازیں ہی ہوئی ہوں جن کو بیٹھ کر ادا کیا ہو، اب جمعہ آیا یعنی ۲۲؍صفر ۱۳۴۰ھ، آج مزاج کی کیفیت بہت بدلی ہوئی ہے کمزوری بہت زیادہ ہے، کچھ ضروری وصیتیں بھی کیے جارہے ہیں اور وہ لکھی جارہی ہیں، اس سے پہلے بھی ایک دفعہ وصیت نامہ تحریر کرنے کا حکم دیا تھا، بلکہ میں نے ہی وہ لکھا تھا، اس وصیت نامے میں اور آج کے وصیت نامے میں تحریر تھا کہ فلاں فلاں شخص مجھ کو غسل دیں، ان میں خصوصیت کے ساتھ میرا نام تھا کہ وہ غسل دیں اور فلاں فلاں مدد دیں۔ نماز جنازہ کی وہ دعائیں جو میرے فتویٰ میں تحریر ہیں اگر حامد رضا یاد کرلیں تو وہ پڑھائیں ورنہ مولانا امجد علی صاحب پڑھائیں۔

تصویروں سے مکان کا تخلیہ

آخر وقت میں سورہ رعد و سورۂ یٰسٓ شریف پڑھنے کا حکم دیا کہ کوئی شخص بلند آواز سے اس کو پڑھے، کارڈ اور لفافے جتنے بھی وہاں تھے سب کو ہٹوا دیا کہ ان میں تصویریں ہیں، یہاں ان کا رہنا ٹھیک نہیں، ڈھائی بج چکے ہیں، جمعہ کی اذان ہورہی ہے مؤذن کی زبان سے حی علی الصلوٰۃ وحی علی الفلاح نکلتا ہے اسی وقت روح نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ہم خدام اور متعلقین کا اس وقت جو حال تھا وہ بیان سے باہر ہے۔ دنیا ہماری آنکھوں کے سامنے تاریک نظر آتی تھی، اب تک ہمیں ہر قسم کا اطمینان رہتا تھا، اہم سے اہم معاملات ہمارے سامنے ہلکے معلوم ہوتے تھے، اب تک سارا بار اعلیٰ حضرت قبلہ کے ذمہ تھا، اور حضور کی ذمہ داری میں ہم بھی کچھ خدمت دین کرلیا کرتے تھے مگر اب کوئی ذمہ دار نہیں، اب جو کرنا ہوگا اپنی ذمہ داری پر کرنا ہوگا۔ صحت اور غلطی کے ہم خود ذمہ دار ہوں گے، اب ہمیں پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہے اور بہت احتیاط کے ساتھ سنبھل سنبھل کر چلنا ہے۔

عشاق کا ہجوم

رام پور، مرادآباد، پیلی بھیت، شاہجہاں پور، دہلی، اور میرٹھ وغیرہ قریب کے شہروں میں تار روانہ کیے گئے، اطلاعیں دے دی گئیں جو خاص تعلق رکھنے والے تھے۔ بروز ہفتہ ۲۶؍جنوری صبح کو نو دس بجے کے قریب غسل سے فراغت ہوئی۔

امام اہل سنت کا جنازہ

یہ سوچا گیا کہ نماز جنازہ کہاں ادا کی جائے، شہر میں کوئی جگہ ایسی نظر نہ آئی جہاں پورے جنازہ پڑھنے والوں کے لیے گنجائش ہو۔ جنازہ عیدگاہ لے جایا جانا تجویز ہوا، ہجوم کا یہ عالم تھا کہ بیان سے باہر ہے۔ بمشکل تمام شاید ایک یا دو دفعہ قریب جنازہ کندھا دینے پہنچ سکا ہوں اور چند سیکنڈ کے لیے کندھا دے سکا ہوں۔

عیدگاہ پہنچتے پہنچتے کافی دیر ہوئی، ظہر کا وقت ہو گیا، وہیں نماز ظہر ونماز جنازہ ادا کی گئی، پھر وہاں سے واپسی میں اتنی دیر ہو گئی کہ وقت عصر آ گیا۔ اس وقت اس علم وعمل کے آفتاب کو جس کا مثل اس کے عہد میں نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام روئے زمین پر آفتاب دنیا نے نہ دیکھا تھا، جس کے علم کی نورانیت تمام جگہوں پر روشنی پہنچا رہی تھی اور دنیا والوں کو کفر وضلالت سے بچا رہی تھی، آج اسی آفتاب کو زمین کے اندر روپوش کیا گیا۔ دفن کے بعد حسب وصیت قبر مبارک پر ایک شخص بلند آواز سے قرآن پڑھتا رہا اور گھنٹہ گھنٹہ بھر بعد تبدیلیاں ہوتی رہیں، اس طرح تین شبانہ روز برابر قرآن خوانی کا سلسلہ رہا۔

اعلیٰ حضرت کی قبر مبارک جس مکان میں ہے پہلے اسی مکان میں مدتوں مطبع اہل سنت رہا، اور خاص قبر کی جگہ میری نشست رہا کرتی تھی، وہیں بیٹھ کر میں پریس کے کام انجام دیا کرتا تھا، مگر چوں کہ وہ مکان شکستہ ہو چکا تھا اس لیے کمرے اس وقت اتنے نہ تھے کہ مطبع وکتب خانے وغیرہ کے لیے کافی ہو سکتے، اس لیے پریس محلّہ بہاری پورہ میں منتقل کیا جا چکا تھا اور ایسے میں تقریباً دو تین برس سے بہاری پور ہی میں رہتا تھا، سوئم وتیجا مسجد بی بی جی میں ہوا۔ اس کے بعد چہلم ہوا جس میں بہت دور دور سے علما ومشائخ وصوفیا حاضر ہوئے تھے۔ اس موقع پر مولانا حامد رضا خان صاحب کی سجادہ نشینی ہوئی۔ اور اب معلوم ہوا کہ وہاں کی دنیا ہی نرالی ہے نہ اب وہ مکان معلوم ہوتا ہے نہ وہ گلیاں نظر آتی ہیں، ہونے کو سب کچھ وہی ہے مگر ان میں جو ایک روحانیت تھی وہ اب باقی نہیں رہی۔

اہل بصیرت کا احساس

چہلم کے موقع پر جب مولانا سلیمان اشرف صاحب علی گڑھ سے آئے تو فرمانے لگے کہ پہلے جب میں کبھی بریلی آتا تھا اور محلّہ سوداگران کی گلی میں گھستا تھا تو وہیں سے مجھے ایک ایسی کیفیت محسوس ہوتی تھی جس کا اثر قلب ودماغ پر ہوتا اور دل اس سے لطف اندوز ہوتا، آج جو اس گلی میں آیا ہوں تو وہ کیفیت نہیں پاتا ہوں، آج حالت ہی بدلی ہوئی نظر آتی ہے۔ خود ہم لوگوں کو آنے جانے میں اس قسم کا فرق محسوس ہوتا تھا، نمازوں میں جو کیفیت ہوا کرتی تھی وہ اب نہیں ہوتی۔ باوجودے کہ اعلیٰ حضرت نہیں پڑھاتے تھے مگر چوں کہ ان کی شرکت رہتی تھی اس وجہ سے وہ بہت پر کیف ہوتی تھیں، اور دور دور سے لوگ اس کے لیے جاتے تھے جس کا صرف مقصد یہ ہوتا تھا کہ اعلیٰ حضرت کے ساتھ نماز پڑھیں گے۔ میں جو کام کرتا تھا وہ سب بدستور جاری ہیں، مدرسہ میں تعلیم بھی دے رہا ہوں، مطبع اہل سنت کی نگرانی وانتظام بھی کرتا ہوں اور اس کے سارے کام انجام بھی دیتا ہوں، شہر کے لوگوں کو جب فتوے کی ضرورت ہوتی وہ عموماً میرے پاس آتے، کیوں کہ اعلیٰ حضرت کے زمانہ میں بھی میں ہی یہ کام انجام دے رہا تھا، اور باہر سے بھی فتووں کے خطوط میرے نام آنے لگے کام سب جاری ہیں جن کی ذمہ داریاں اپنے اوپر ہیں۔

بریلی سے اجمیر شریف

اعلیٰ حضرت کے وصال کے کئی سال بعد تک بریلی میں قیام رہا۔ اہل شہر کی دینی خدمتیں عموماً مجھ ہی کو انجام دینی ہوتی تھیں۔ پھر اجمیر شریف سے ۱۹۲۵ء میں چند اشخاص پر مشتمل ایک وفد روانہ ہوا۔ جن کا مقصد صدر المدرسین کو تلاش کرنا تھا وہ وفد بریلی پہنچا اور مجھ سے ملا، اراکین وفد کو میں جانتا پہچانتا بھی تھا، ان لوگوں نے اپنا مقصد میرے سامنے پیش کیا، میں نے کہا میں تجسس کروں گا اور خیال دوڑاؤں گا اگر کوئی شخص آپ کے مدرسے کی صدارت کے قابل دستیاب ہوا تو مطلع کروں گا، گفتگو ہوتی رہی، آخر میں اس وفد نے پیش کیا کہ ہم آپ کو کسی کے تلاش کرنے کی تکلیف نہیں دیتے، ہمارا مدعا صرف اور صرف یہ ہے کہ آپ وہاں کی صدارت قبول فرمائیں۔ اولاً تو میں نے اِدھر اُدھر کی معذرت بیان کی، پھر بریلی سے جدا ہونے کے متعلق جو دشواریاں تھیں وہ بیان کیں۔ جب وفد نے اور زیادہ مجبور کیا تو ان کے سامنے رکھا گیا کہ مولانا حامد رضا خان صاحب ہمارے پیرزادے ہیں

اوراعلیٰ حضرت کے جانشین ہیں،بغیران کی اجازت کے میں یہاں سے نہیں جاسکتا۔اتفاق سے مولانا اس زمانے میں بریلی تشریف نہیں رکھتے تھے،وفد نے مجھ سے اتنا طے کرالیا کہ اگر وہ اجازت دیں گے تو آپ اجمیر تشریف لاسکیں گے۔

مجلس علما کا فیصلہ

مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف کی مجلس العلما کے اراکین نے جن میں مولوی فضل حق صاحب رام پوری،مولوی عبدالباری فرنگی محلی اور مولوی سلیمان اشرف صاحب بہاری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔طے کیا تھا کہ دارالعلوم کی صدارت کے لیے صرف وہی شخص (صدرالشریعہ) موزوں ہیں اور یہاں کا کام ان ہی سے انجام پاسکے گا،کیوں کہ یہاں کے صدر کے لیے علاوہ قابل اور ماہر ہونے کے متحمل مزاج ہونا اور یہاں کے واقعات پر نظر کرکے اس پر اس طرح عمل کرنا کہ باہم تصادم نہ ہونے پائے یہ بہت ضروری چیز ہے۔جب یہ وفد بریلی سے اجمیر شریف واپس ہوا اور سفر کی رپورٹ پیش کی تو معتمد دارالعلوم کی جانب سے رجسٹری شدہ ایک مراسلہ میرے نام اور ایک مراسلہ مولانا حامدرضا خان صاحب کے نام آیا۔مجھے اجمیر شریف کی حاضری پر زور دیا جاتا ہے اور اس کے دینی فوائد بیان کیے جاتے ہیں اور یہ بھی اس میں لکھا کہ آپ خود قائم مقام بن کر مولانا حامدرضا خان صاحب سے ہماری جانب سے اپنے کو اجمیر شریف کے لیے طلب کریں۔ان کے یہ خطوط آنے کے بعد میں اور مولانا اس معاملے میں کئی روز تک غور کرتے رہے،میں ان کے اوپر ڈالوں اور وہ مجھ پر ڈالیں،آخر میں نے یہی طے کیا کہ بریلی ہی میں رہنا ہے،اجمیر شریف لکھ دیا کہ میں کسی طرح نہیں آسکتا۔میرا یہ خط پہنچنے کے بعد پھر سعی ہوتی ہے اور مولانا سلیمان اشرف صاحب جو میرے طالب علمی کے زمانے کے دوست اور خود میرے اجمیر شریف جانے کے محرک بھی ہیں، مدرسے کی جانب سے انہیں سفارشی بنایا جاتا ہے اور اس درمیان میں ڈالا جاتا ہے،انھوں نے ایک بہت زوردار خط لکھا جس میں مجھے اجمیر شریف جانے کی طرف بھرپور توجہ دلائی اور اس کی یہاں تک انھوں نے ضرورت ثابت کی کہ چوں کہ علی گڑھ میں ایک زبردست دینی کام انجام دے رہا ہوں اور یہاں کی فضا میں دوسرے کو یہ کام انجام دینا نہایت دشوار تر ہے،اگر یہ چیز مانع نہ ہوتی تو میں خود اجمیر شریف چلا جاتا اور وہاں کی صدارت کے کام کو انجام دیتا۔

اجمیر شریف جانا طے کرلیا

ادھران کا زور،ادھر دارالعلوم معینیہ کی جانب سے متولی صاحب کا اصرار پر اصرار،کچھ دوسرے مصالح بھی ایسے رونما ہوگئے کہ میں نے اجمیر شریف جانا ہی مناسب سمجھا،بلکہ اپنے خاص احباب کی ایک کمیٹی طلب کی جو پندرہ بیس اشخاص پر مشتمل تھی ان کے سامنے رکھا اور جمیع ماعلیہ اور مالہ،کو ان کے سامنے رکھ دیا،پھر ان سے دریافت کیا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟ یہ وہ لوگ تھے جو بریلی سے میرے جانے پر کسی طرح راضی نہیں ہوسکتے تھے مگر کچھ باتوں میں ایسا پیچ وتاب پڑ گیا تھا کہ ان سب کو بالاتفاق یہی طے کرنا پڑا کہ اب آپ کو اجمیر شریف چلا جانا صرف مناسب نہیں بلکہ ضروری ہے۔احباب کے مشورے کے بعد روانگی کا عزم کرلیا۔

سب سے پہلے میری اہلیہ ثانیہ جو اس وقت بیمار تھیں اور ان کے نیچے کا دھڑ کچھ مضمحل تھا ان کو مکان پر پہنچانا ضروری تھا۔نورچشم مولوی شمس الہدیٰ اس وقت لکھنؤ میں تھے ان کو اطلاع دی کہ فلاں روز فلاں ٹرین سے مکان جارہا ہوں تم میرے ساتھ چلو کیوں کہ تمہاری والدہ کی طبیعت خراب اور تم نہ ہوگے تو گاڑی بدلوانے میں شاہ گنج میں میرے لیے بڑی دشواری ہوگی،سب اہل وعیال کو لیے ہوئے مکان پر آیا،صرف مولوی یحییٰ کو بریلی چھوڑا کیوں کہ ان کو اپنے ساتھ اجمیر شریف لے جانا تھا،مکان سے بریلی واپس ہوا،سفر کی تیاری شروع ہوئی،مدرسہ کے طلبہ کچھ اس درجہ مانوس تھے کہ ان کو میرا جانا نہایت درجہ شاق تھا۔

طلبہ کی دل گرفتگی اور دعوت وداع

مگر وہ بے چارے مجبور تھے، اس معاملے میں کچھ نہیں کر سکتے تھے، طلبہ نے روانگی کے سلسلہ میں بہت دھوم دھام سے دعوت کی، بلکہ اس دعوت کے دو حصے ہو گئے ایک دن ہندوستانی طلبہ نے دوسرے روز بنگالیوں نے، دعوت کے بعد کچھ تقریر ہوئی جس سے سارا مجمع متاثر تھا اور میری روانگی کی وجہ سے بہت سے چشم پر آب، بلکہ رو رہے تھے۔

اجمیر شریف میں ورود

بریلی سے روانہ ہو کر ایک روز جے پور قیام کیا اور دوسرے دن وہاں سے اجمیر شریف پہنچا۔ اسٹیشن پر مدرسین وطلبہ کا ایک بہت بڑا اجتماع تھا جو مجھے اپنے ساتھ آستانۂ غریب نواز پر لائے، وہاں سے حاضری دے کر مدرسہ کے دارالاقامہ میں لے گئے کہ یہیں میرا عارضی طور پر قیام ہوگا، جس روز میں اجمیر شریف پہنچا اس دن تاریخ ۲۵ رجمادی الآخرہ تھی اور عرس کے سلسلہ میں تعطیل کا پہلا دن تھا اور یہ تعطیل دو مہینے ﴿''دو ہفتے'' ہونا چاہیے کیونکہ آگے ہے کہ بارہ تیرہ رجب کو مدرسہ کھلا۔ فیضان﴾ سے زائد ہوتی ہے، گویا اتنے دن مجھے تعلیم وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں، یہاں کے داخلی اور خارجی معاملات پر غور کرتا رہا اور یہ کہ کس طرح پر یہاں کا کام انجام دینا چاہیے، دارالعلوم معینیہ کے دستور میں چلا آتا ہے، سالانہ امتحان اور جلسہ دستار بندی اسی عرس کے ہی موقع پر ہو جاتا ہے کیوں کہ اس موقع پر نہ کسی کو بلانا پڑتا ہے نہ مصارف دینے پڑتے ہیں۔ علما و مشائخ بکثرت موجود ہوتے ہیں وہ لوگ بلائے جاتے ہیں اور ان کے سامنے امتحان ہو جاتا ہے اور پھر دستار بندی کا جلسہ۔ اس سال بھی جلسہ دستار بندی اسی موقع پر تھا اور جناب مولوی حبیب الرحمٰن صاحب شیروانی الملقب بنواب صدر یار جنگ بہادر بھی حیدرآباد سے تشریف لائے تھے، اور یہ دارالعلوم ان کی ماتحتی میں تھا کیوں کہ ریاست دکن کے معتمد امور مذہبی تھے، ان کی موجودگی میں جلسہ ہوا اور دستار بندی بھی ہوئی، مولوی وصی احمد صاحب سہسرامی کی دستار بندی اسی سال ہوئی اگر چہ وہ مولانا مشتاق احمد صاحب کان پوری کے شاگرد تھے اور جب وہ اس دارالعلوم میں صدر مدرس تھے فارغ ہوئے تھے مگر ان کی سند پر بحیثیت صدر مدرس میرے دستخط ہوئے۔ اگر چہ مولوی مشتاق احمد صاحب اس جلسہ کے موقع پر موجود تھے مگر نواب صدر یار جنگ بہادر نے یہ کہا کہ مولانا مشتاق احمد صاحب کا مدرسے سے چوں کہ تعلق نہیں رہا اب سے ان کے دستخط سند پر کسی طرح نہیں ہو سکتے۔

غالبًا بارہ تیرہ رجب کو مدرسہ کھلا اور اب تعطیل کلاں کو ایک مہینہ سے کچھ ہی زیادہ ہے، طلبہ کا امتحان بھی بعض جماعتوں کا ہو چکا ہے اور بعض کا باقی ہے، تعلیم کا سلسلہ کچھ جاری کیا گیا مگر ادھورا، کہ پورے طور پر تعلیم اب ماہ شوال ہی میں ہو سکے گی۔ اِس وقت کام شروع کر دیا گیا ہے مگر تنہائی کی وجہ سے اطمینان خاطر نہیں ہے۔ شعبان میں جس دن تعطیل کی مکان واپس آیا اور اب جو شوال میں جانا ہوا تو مدرسہ کھلنے پر اسباق کی تقسیم ہوئی، تعلیم کا سلسلہ جاری ہوا۔ کمیٹی کی جانب سے مجھے بتاکید یہ کہہ دیا گیا کہ آپ اپنا ایک گھنٹہ ضرور خالی رکھیں تا کہ اس میں درجات کی دیکھ بھال ہو سکے اور مدرسین کس طرح پڑھا رہے ہیں؟ اس کا بھی اندازہ کیا جا سکے۔ چنانچہ برابر تمام درجوں کی دیکھ بھال کرتا رہا، مدرسین کی تعلیم میں جو خامیاں تھیں وہ بتاتا اور ظاہر کرتا رہا، مدرسے میں قوانین بہت کچھ تھے مگر پہلے کے صدر مدرسین نے اپنے اوپر پابندی کو برا سمجھا، جب خود نہ پابندی کریں تو دوسروں کو کیا پابند کر سکتا ہے؟ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ مدرسین اور طلبہ سبھی آزاد تھے، جس کا جب جی چاہتا یہاں سے وہاں' وہاں سے یہاں چلا جاتا۔ ان قوانین کی پابندی کی طرف لوگوں کی توجہ دلائی گئی، خود بھی سختی کے ساتھ قوانین پر پابندی کی، پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ دوسرے پابندی نہ کریں، نہایت ضابطے کے ساتھ مدرسے میں تعلیم کا سلسلہ جاری ہوا، مگر بعض طبائع ایسی ہوتی ہیں جو آزادی پسند ہیں، ان کا منشا یہ ہوتا ہے کہ جو چاہیں کر ڈالیں۔ مگر بے ضابطگی میں اگر چہ کام کتنا ہی

زیادہ کیا جائے نتیجہ ہمیشہ خراب نکلتا ہے، دوسروں کے لیے سند ہو جاتی ہے۔ جب ان بے ضابطگیوں سے روکا گیا تو کینہ پرور طباع مخالفت پر آمادہ ہو گئیں اور انھوں نے اندرونی طور پر طلبہ اور مدرسین کو برہم کرنا شروع کیا، اس قسم کی خبروں کے ملنے پر نہایت ہوشیاری اور تدبر سے بغیر کسی فتنہ وفساد کے اس قسم کی تمام مخالفتوں کو دور کیا گیا۔

تنہائی کا احساس

میری یہیں یہ غلطی ہوئی تھی کہ اپنے ساتھ طلبہ کو نہیں لے گیا، مدرسہ میں جا کر کام کرنا شروع کر دیا۔ مدرسہ میں جتنے طلبہ تھے وہ سب دوسروں کے زیر اثر تھے اور ان لوگوں کے آلۂ کار بن کر فتنہ وفساد برپا کرتے تھے۔ جب مدرسین میں رفتہ رفتہ دوسرے طلبہ اگر کہتے تو وہ بھی کثرت سے مرعوب ہو کر انہیں کے ساتھ مل کر فساد کے آلۂ کار بنتے رہے، کچھ دنوں کے بعد کچھ طلبہ کو جب یہ سمجھ میں آیا کہ یہ مدرسین وطلبہ فساد کر کے مدرسے کا نظم برباد کرنا چاہتے ہیں اور اس سے خود ہماری تعلیم بھی خراب ہوگی اور ہو رہی ہے تو ان سے علیحدہ رہ کر فساد سے دور رہے، اب گویا دو جماعتیں ہو گئیں۔ ایک صالح پسند، دوسری فتنہ پسند، رفتہ رفتہ کرتے کچھ دنوں میں فساد پسند جماعت کا قلع قمع کیا گیا، کبھی نرمی کبھی تشدد گویا مختلف صورتوں سے اس کا خاتمہ کیا گیا، اور بفضلہٖ تعالیٰ مدرسہ میں بہتر سے بہتر انتظام اور مکمل درجے کی تعلیم ہوگئی۔

مثالی دارالعلوم

طلبہ کی اتنی کثرت کہ اراکین مدرسہ اس میں اپنے کو قاصر پاتے تھے۔ جتنے طلبہ کی مدرسہ میں گنجائش تھی مدرسے میں رکھے گئے، باقی اراکین نے اور شہر کے مخیّر حضرات نے اپنے یہاں طلبہ کے طعام وغیرہ کا انتظام کیا، مدرسہ کی تعلیم اور انتظام کا یہ وہ زمانہ تھا کہ نہ اس سے پہلے کبھی ایسا ہوا تھا نہ بعد میں ایسی بات باقی رہی۔ طلبہ میں تعلیم کا ذوق وشوق اور اتباع شریعت کا بھی جذبہ تھا، پہلے والے طلبہ کو نہ ان کی ظاہری وضع قطع، شریعت کے موافق تھی، نہ ان میں ارکان اسلام ادا کرنے کا جذبہ تھا، عجیب قسم کے وہ طلبہ تھے جن کو تقریباً دین سے بے تعلق کہا جائے تو بجا ہے۔ اور اس زمانے میں جو طلبہ تھے اپنی قابلیت اور شوق سے امتیازی حالت رکھتے تھے، شہر کے لوگ عموماً ان طلبہ کی طرف مائل تھے اور ان کی بہترین حالت پر ان کے جانے کے بعد بھی انہیں مدتوں یاد کرتے تھے۔

مدرسہ نہایت عروج پر تھا، اس زمانے میں مولانا سلیمان اشرف صاحب وغیرہ کی رائے ہوئی کہ ہندوستان کے چنے ہوئے فضلائے کرام امتحان کے لیے بلائے جائیں اور طلبہ کا امتحان وہ لیں اور مدرسہ کی تعلیمی حالت پر جیسی بھی ہو وہ رائے زنی کریں، تاکہ جو کچھ یہاں کمی ہے، اسے پورا کرنے کی سعی کی جائے۔ مولوی فضل حق صاحب رام پوری جو ایک پرانے مدرس تھے پڑھاتے پڑھاتے بوڑھے ہو چکے تھے، معقولات کی تعلیم کا پورا ملکہ رکھتے تھے وہ بھی اس موقع پر بلائے گئے، اور ان کے سامنے میر زاہد، حماسہ، قاضی مبارک، صدرا، شمس بازغہ، تلویح یہ کتابیں امتحان کے لیے پیش کی گئیں، امتحان کے لیے کسی جگہ اور اوراق کی پابندی نہ تھی، ممتحن صاحب کو اختیار تھا کہ جہاں سے چاہیں پوچھیں۔ امتحان لیا اور بہت خوش ہوئے۔ مولوی وحافظ عبدالعزیز صاحب ومولوی سردار احمد صاحب وحضرت مولوی سید غلام جیلانی صاحب علی گڑھی ومولوی رفاقت حسین صاحب مظفر پوری ان چاروں کی ایک جماعت تھی، ان کے امتحان سے ممتحن صاحبان نہایت خوش ہوئے۔ بلکہ ان کے متعلق تحریر لکھی کہ اس قسم کے طلبہ اس زمانے میں نایاب ہیں۔ ہم نے ہندوستان کے کسی بھی مدرسہ میں ایسے طلبہ نہیں پائے۔ بہت جانکاہی کے ساتھ مدرسہ کے تعلیمی اور اخلاقی کام کی دیکھ بھال کرتا رہا۔ مدرسہ کی حالت بہتر سے بہتر ہوتی رہی۔

فساد کا بیج

اس مدرسہ میں فساد کا جو مادہ تھا، اگرچہ اسے بہت کچھ دبا رکھا تھا، مگر اس کا استیصال نہیں ہوا تھا، برابر کسی نہ کسی صورت میں ظاہر ہوتا رہا، اور چوں کہ معتمد دارالعلوم سید نثار احمد صاحب

متولی درگاہ معلیٰ کی زیر حمایت اس کی پرورش ہوتی رہی اس وجہ سے اس کو ختم نہیں ہونے دیتے تھے، اور اگر مدرسہ امن وامان کے ساتھ چلتا رہتا تو بعض حضرات جن کے ذریعہ سے فساد ہوتا رہتا تھا ان کی مدرسہ میں ضرورت باقی نہ رہتی، وہ اپنا وجود اسی وقت تک قائم رکھ سکتے تھے جب تک کبھی نہ کبھی فساد ہوتا رہے۔ جب اس چیز کو اچھی طرح سمجھ لیا گیا اور یہ اندازہ کرلیا گیا کہ یہاں ایک نہ ایک فساد ہوتا رہے گا اور اس کی الجھنوں میں پڑنا پڑے گا، لہٰذا بہتر یہ سمجھا کہ اس سے علیحدگی اختیار کرلی جائے۔ لہٰذا ایک استعفیٰ میں نے لکھا جو نہایت مدلّل تھا اور جو بے عنوانیاں اور بے ضابطگیاں میرے ساتھ کی گئیں ان سب کا اس میں حوالہ تھا، اس لیے ایک میعاد بھی مقرر کرلی تھی غالبًا دو ہفتہ کی' کہ ہم اتنے دنوں تک پڑھانے کے بعد مدرسے سے علیحدہ ہو جائیں گے۔ مدرسہ اپنے لیے کسی صدر مدرس کا انتخاب کرلے۔ وہ میعاد پوری ہوتے ہی میں روانگی کے لیے بالکل تیار ہوگیا، میرے سامان سب باندھے جا چکے، جو ساتھ جانے کا تھا وہ ساتھ لے لیا، اور جس کو پارسل کرنا تھا اس کو علیحدہ رکھ دیا گیا، یہاں تک کہ راستہ کے لیے ناشتہ بھی تیار ہوگیا۔ اب صرف دو گھنٹے میری روانگی میں باقی ہیں کہ میں نے خیال کیا کہ متولی صاحب سے آخری ملاقات کرلینی چاہیے، تاکہ جو کچھ ہوا وہ ہوا' آئندہ کے لیے تعلقات خوشگوار باقی رہیں۔

ان سے ملنے کے لیے گیا اور میں نے کہا کہ آج جا رہا ہوں، آپ سے ملنا ضروری تھا' ملاقات کے لیے آ گیا ہوں۔ میرے یہ جملے سن کر انھوں نے سر نیچا کرلیا اور کچھ دیر تک غور کرتے رہے، پھر یہ کہا کہ کیا آپ بالکل جا ہی رہے ہیں؟ میں نے کہا: سامان باندھا جا چکا ہے، اور راستہ کے لیے ناشتہ بھی تیار ہو چکا ہے، اب جانے کے لیے کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں۔ انھوں نے کہا کہ ایک بات آپ میری مان جائیے، آپ جا ہی رہے ہیں، مگر اس وقت کا جانا ملتوی کر دیں۔ کل آپ چلے جائیں، میری خاطر سے ایک روز کے لیے ٹھہر جانے میں کوئی نقصان تو نہیں۔

میں نے کہا: نقصان تو کچھ بھی نہیں ہے، آج نہیں کل ہی چلا جاؤں گا، جس طرح آج ناشتہ پک چکا تھا کل بھی پک جائے گا، مگر جاؤں گا ضرور۔ انھوں نے کہا کہ آپ کی خوشی ہے، مگر آج ٹھہر جائیں، کل نو دس بجے تشریف لے جائیں، اس وقت میں کچھ گذارش کروں گا پھر شام کی گاڑی سے آپ جا سکتے ہیں۔

خواجہ صاحب کا واسطہ دے کر روک لیا گیا

دوسرے دن بھی میں نو دس بجے ملاقات کے لیے گیا، اس وقت متولی صاحب نے یہ کہا کہ بزرگان دین اور خواجہ غریب نواز سے آپ کو جو کچھ عقیدت ومحبت اور ان کے آستانۂ عالیہ سے جو میرا لگاؤ اور نسبت ہے اسی تعلق اور نسبت کو آپ کے سامنے رکھتا ہوں اور اس کا واسطہ قرار دیتا ہوں اور سفارشی بناتا ہوں کہ اس عقیدت سے جو آپ کو ہے سوال کرتا ہوں کہ آپ یہاں سے تشریف نہ لے جائیں، میں آپ کا ہوں، مدرسہ آپ کا ہے، آپ کے جانے سے جو مجھے صدمہ ہوگا اور دل شکنی ہوگی وہ آپ کو ہرگز گوارہ نہیں ہو سکتی۔ متولی صاحب کے یہ چند جملے جو انھوں نے اس وقت نہایت درد انگیز لہجے میں ادا کیے میر دل پر اثر کر گئے، اور یہ خیال آیا کہ ان کی اس پرخلوص گذارش کو ٹھکرانا روا نہیں۔ میں نے ان سے کہہ دیا کہ میں سفر کے لیے بالکل تیار ہوگیا تھا، اور کوئی قوت مجھے اس وقت روک نہیں سکتی تھی، مگر آپ کے یہ جملے کچھ اس طرح مؤثر ہوئے کہ میں اپنے ارادے کو ملتوی کر رہا ہوں۔ آئندہ جو کچھ بھی ہو، مگر میں اب نہیں جا سکتا۔ اس کو سن کر وہ بہت مسرور ہوئے اور اٹھ کر معانقہ کیا، اور مجھے لیے ہوے مدرسہ میں پہنچے، اور تمام مدرسین وطلبہ کو جمع کر کے انھوں نے ایک مختصر سی تقریر کی کہ صدر المدرسین صاحب جانے کے لیے بالکل تیار تھے، آپ سب لوگوں کو معلوم ہوگا کہ ان کی راونگی کا سامان تیار ہو چکا تھا، ناشتہ بھی پک چکا تھا، میں نے ان کو روکا اور آج اسی قوت سے کام لیا کہ سمجھ رہا تھا کہ یہ ضرور کارگر ہوگی اور اس کو صدر صاحب کسی طرح رد نہ کریں گے، میں نے ان کو روکا اور اب مدرسہ میں لے کر آیا ہوں، اور تمام لوگوں سے یہ

کہتا ہوں کہ کان کھول کر سن لو کہ ان کا ہر حکم میرا حکم ہوگا، اور جس نے ان کے کسی حکم کو نہ مانا اوران کا پورا احترام نہ کیا وہ کسی طرح سے مدرس ہو یا طالب علم وہ مدرسہ میں نہیں رہ سکتا۔ مدرسے کے جتنے معاملات ہیں کلی خواہ جزئی سب ان کو سپرد کیے جاتے ہیں، سب ان کے اختیار میں ہیں، ہر سیاہ سفید کا ان کو مالک بنایا جاتا ہے۔ مدرسہ کے جملہ انتظامات تنہا ان کے ہاتھ میں ہیں، کوئی ان میں دخل نہیں دے سکتا۔ یہ سب کہنے کے بعد متولی صاحب مجھے لیے ہوئے اپنے مکان پر پہنچے اور وہاں سے مجھ کو رخصت کیا، مدرسہ کے جملہ امور نہایت خوبی کے ساتھ انجام پانے لگے۔تھوڑا زمانہ گزرنے پایا تھا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کے عرس میں بریلی جانا ہوا، وہاں سے فارغ ہوکر علی گڑھ پہنچا۔ مولانا سلیمان اشرف صاحب کا بہت دنوں سے اصرار تھا کہ کبھی علی گڑھ اکٹھے رہیں گے، ربیع الاول شریف کا چاند میں نے علی گڑھ میں دیکھا اور کئی روز قیام کرنے کے بعد اجمیر شریف واپس آیا۔

****

باقی صفحہ ۳۱ کا..................

کفار قریش کی عورتوں نے جنگ بدر میں ملی کراری شکست کا انتقام لینے کے لیے شہدائے احد کے جسد مبارک پہ جا کر ان کے کان ناک کاٹ کر صورتیں بگاڑ دیں اور ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سب سے عزیز ترین چچا حضرت حمزہ کی لاش تلاش کر کے حضرت حمزہ کا سینہ چاک کیا اور دل و جگر کے ٹکڑے کیے اور اس کو چبائی، پھر چند سالوں بعد فتح مکہ کے دن نقاب پوش اس نیت سے بارگاہ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوئی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسے پہچان نہ سکیں اور بے خبری میں بیعت اسلام کے ذریعہ سند امان حاصل کر لے، لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہندہ کو پہچان لیا پھر بھی اس واقعہ کا ذکر تک نہ فرمایا۔ ہندہ اس کرشمۂ اعجاز سے متاثر ہوکر بے ساختہ بول اٹھی۔ یا حبیب یا رسول اللہ آپ کے خیمہ سے زیادہ مبغوض خیمہ میری نظر میں کوئی نہ تھا، مگر اب آپ کے خیمہ سے زیادہ محبوب خیمہ میری نظر میں کوئی نہیں۔(مفہوماً وملخصاً: زرقانی جلد دوم، ص ۴۷)

حضرت عکرمہ ابن ابوجہل قبل از اسلام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھے۔ بوقت فتح مکہ بھاگ کر یمن چلے گئے، ان کی بیوی مشرف بہ اسلام ہوکر یمن گئیں اور عکرمہ کو تسکین دی اور عکرمہ بن ابوجہل کو مسلمان کیا، پھر خدمت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں لے کر حاضر ہوئیں۔ جب پیغمبر اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظر عکرمہ بن ابوجہل پر پڑی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فوراً اٹھ کر کھڑے ہوئے اور اس رفتار سے ان کی طرف بڑھے کہ جسم مبارک پر چادر تک نہ تھی اور زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے:"**مرحبا بالراکب المهاجر**" (مفہوماً وملخصاً: موطا امام مالک، کتاب النکاح -ترمذی شریف جلد ثانی، ابواب الاستیذان والادب، باب ماجاء فی مرحبا ص ۱۰۲)

الغرض شہنشاہ کون ومکاں، مالک انس و جاں، تاجدار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات ظاہری میں ایسے ہزاروں واقعات رونما ہوئے، جن سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ عفو و درگزر یعنی قدرت کے باوجود مجرموں کو بغیر انتقام چھوڑ دینا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت کریمہ اور آپ کے اخلاق حسنہ کا وہ عظیم شاہکار ہے جو ساری دنیا میں بے مثال ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں:"**وما انتقم رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لنفسه الا ان تنتهک حرمة الله تعالى فينتقم بها**". (سنن ابوداؤد، کتاب الادب۔ باب فی التجاوز فی الامر)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی اپنی ذات کے لیے انتقام نہیں لیا، سوائے اس کے کہ اللہ کی حرمتوں کی پامالی ہوتی ہو تو اس میں اللہ کے لیے انتقام لیتے۔

☆☆☆

ابدال کا وجود احادیث طیبہ کی روشنی میں

تحریر: ازہار احمد امجدی ازہری، فاضل حدیث جامعہ ازہر (مصر)

ابدال وہ عظیم شخصیات ہیں جن کے وجود مسعود سے کبھی دنیا خالی نہیں رہتی۔ حدیث صحیح اور حدیث حسن وغیرہ سے ان با برکت حضرات کا موجود ہونا ثابت ہے۔ اسی وجہ سے کثیر تعداد میں لفظ ابدال کا استعمال ائمہ کرام و محدثین عظام کے اقوال میں پایا جاتا ہے، بعض ائمہ کرام کے اقوال درج ذیل ہیں:

امام الائمہ امام شافعی رحمہ اللہ بعض ائمہ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: ''ہم انہیں ابدال میں سے شمار کرتے تھے''۔

امام المحدثین امام بخاری رحمہ اللہ بعض دوسرے ائمہ کے بارے میں فرماتے ہیں: ''علما انہیں ابدال سے شمار کرنے میں شک نہیں کرتے تھے''۔ (المقاصد الحسنۃ/سخاوی، ت۹۰۲، رقم: ۸)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (اگر اصحاب حدیث ابدال نہیں ہونگے تو پھر کون ہوگا؟!) (شرف اصحاب الحدیث/خطیب بغدادی)

امام سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(اسی طرح ان دونوں حضرات کے علاوہ نقاد، حفاظ اور ائمہ کرام نے بہت سے دوسرے ائمہ کرام کو ابدال سے موصوف کیا ہے) (المقاصد الحسنۃ/سخاوی، رقم: ۸)

مسئلہ مذکورہ میں حدیث صحیح، حسن اور معتمد اقوال ائمہ کے ورود کے باوجود بعض متشددین و متعنتین حضرات جیسے ابن تیمیہ اور اس کے شاگرد ابن قیم جوزیہ نے ان کے وجود کا انکار کیا ہے، اور ان کے متبعین آج بھی اس مسئلہ میں ان کا اتباع کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہاں پر میں ابن قیم جوزیہ کا قول ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں، ملاحظہ فرمائیں:

ابن قیم جوزیہ نے اپنے استاد ابن تیمیہ کا اتباع کرتے ہوئے لکھا:

''ابدال، اقطاب، اغواث، نقبا، نجبا اور اوتاد والی ساری حدیثیں باطل ہیں اور ان میں سے حدیث: ''لا تسبوا اہل الشام، فإن فیہم البدلاء، کلما مات رجل منہم ابدل اللہ مکانہ رجلا آخر'' سب سے قریب تر ہے۔ امام احمد بن حنبل نے اسے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے، مگر یہ بھی صحیح نہیں، کیونکہ اس کی سند میں انقطاع ہے''۔ (المنار المنیف فی الصحیح والضعیف/ابن قیم جوزیہ)

اولا: عمومی جوابات ملاحظہ فرمائیں:

پہلا جواب: ابن قیم جوزیہ کا یہ قول قابل قبول نہیں۔ اس قول کے مردود ہونے کے لیے یہ ایک حدیث ہی کافی ہے، چہ جائے کہ اس کے علاوہ حدیث حسن اور حسن لغیرہ موجود ہیں۔ حدیث ملاحظہ فرمائیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اہل شام کو گالی مت دو، بلکہ ان پر ظلم کرنے والوں کو برا بھلا کہو، کیونکہ ان کے درمیان ابدال رہتے ہیں''۔

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ روایت صحیح الاسناد ہے''۔ امام ذہبی رحمہ اللہ ان کی موافقت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''صحیح ہے''۔ (المستدرک/حاکم، تحقیق: مصطفی عبد القادر عطا)

دوسرا جواب: ان متشددین کے بالمقابل متوسطین اور علوم حدیث کے ماہر بعض دیگر محدثین عظام کے اقوال و آرا موجود ہیں جو اس بات کی صراحت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ اس باب میں احادیث صحیحہ اور احادیث حسنہ موجود ہیں۔ بعض

اقوال مرقومہ ذیل ہیں۔

امام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ابدال کا ذکر متعدد خبروں میں وارد ہے، ان میں سے بعض صحیح ہیں، اور بعض صحیح نہیں، قطب کا ذکر بھی بعض آثار میں آیا ہے، اور رہی بات غوث کی تو جس وصف کے ساتھ صوفیا کے درمیان مشہور ہے، اس طرح ثابت نہیں''۔

امام حافظ مرتضی زبیدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''امام ابن حجر رحمہ اللہ کے اس قول سے ابن تیمیہ کا زعم - لفظ ابدال ایک خبر منقطع کے علاوہ کسی بھی حدیث صحیح اور ضعیف میں وارد نہیں - باطل ہو گیا، کاش وہ اپنے علم کے حدود میں رہ کر نفی کیا ہوتا! مگر وہ ایسا نہیں کیا، بلکہ اس سے دس قدم آگے بڑھا، اور وجود ہی کی نفی کر ڈالی، اور جنہوں نے لفظ ابدال کے ورود کا دعویٰ کیا، ان کو جھٹلا دیا، اور اگر اس باب میں وارد شدہ تمام روایات کا ضعیف ہونا تسلیم کر بھی لیا جائے تو کم از کم کثرت طرق وتعدد مخرج کی وجہ سے اس باب کی حدیث کے قوی ہونے کا انکار نہیں کیا جا سکتا''۔ (اتحاف السادۃ المتقین ر زبیدی)

خاتم الحفاظ امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ابدال کی حدیث صحیح ہے، میں نے اس کے متعلق ایک مستقل کتاب تالیف کی ہے، میں نے اس میں اس کے متعلق وارد شدہ احادیث کے طرق کو بالاستیعاب ذکر کیا ہے''۔

امام سیوطی حدیث کے طرق کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''اتنے طریقے سے وارد شدہ حدیث لامحالہ تواتر معنوی تک پہونچ جاتی ہے، جس کی وجہ سے ابدال کے وجود کی قطعی صحت بدیہی طور طور پر ثابت ہو جاتی ہے''۔ (النکت البدیعات رسیوطی)

ثانیا: خاص حدیث علی رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث کے متعلق جواب ملاحظہ فرمائیں:

پہلا جواب: امام نور الدین ہیثمی رحمہ اللہ صحابی رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''اس حدیث کی تخریج امام طبرانی رحمہ اللہ نے اپنی 'الاوسط' میں کی ہے، اس حدیث کی سند حسن ہے''۔ (مجمع الزوائد رہیثمی، رقم: ۱۶۶۷۴)

ابن قیم جوزیہ کے قول مطابق مان لیتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں انقطاع ہونے کی وجہ سے ضعف ہے، مگر میں کہتا ہوں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ کی یہ روایت حضرت علی رضی اللہ کی روایت کردہ حدیث کے لیے قوی شاہد ہے، جس کی وجہ سے انقطاع کا ضعف جاتا رہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن لغیرہ ہو کر مقبولیت کے درجہ میں پہونچ گئی، اس لیے اگر چہ صحیح نہیں، مگر قابل قبول اور قابل عمل ضرور ہے۔

ثانیا: اس حدیث کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث کی دیگر قابل قبول متابعات اور شواہد ہیں، جس کی وجہ سے آپ کی روایت کردہ حدیث حسن لغیرہ اور مقبول ہوگی، یہی رائے علم حدیث کے قواعد کے موافق ہے، ان شاءاللہ ان متابعات اور شواہد کو قارئین رسالہ ہذا میں تفصیلا ملاحظہ کریں گے۔

بہر حال ابدال سے متعلق حدیث کا اگر علم حدیث کی روشنی میں جائزہ لیا جائے، اور محققین ومحدثین کے مذکورہ بالا اور دیگر ناقدین وحفاظ مثلاً امام سخاوی رحمہ اللہ، اور امام عجلونی رحمہ اللہ وغیرہ کے اقوال وآراء کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ابدال کی حدیث کے بطلان کا دعویٰ محض دعوی ہے، اس پر کوئی دلیل نہیں، جس کی وجہ سے میں یہ کہنے میں قطعا جھجھک محسوس نہیں کرتا کہ ابن تیمیہ وغیرہ کی طرف سے بطلان کا دعویٰ قابل قبول نہیں، بلکہ مردود ہے۔

بعض حضرات ابدال کی حدیث کو ضعیف یا موضوع قرار دیتے ہیں، اور اس پر دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ یہ حدیث کتب ستہ میں نہیں ہے۔

منکر حدیث ابدال کی یہ دلیل یا تو کتب ستہ کے علاوہ دوسری کتب احادیث مثلا مسند احمد، صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان

وغیرہ سے جہالت یا پھر ہٹ دھرمی اور کٹ حجتی اور لوگوں کو اندھیرے میں رکھنے کی غرض پرمبنی ہے، اور ساری چیزیں باب تحقیق میں مذموم اور ناقابل قبول ہیں۔ بعض متشدد حضرات ابدال کی حدیث کے ضعیف یا موضوع ہونے پر یہ حجت بناتے ہیں کہ اس کے متعلق احادیث کو امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الموضوعات'' میں ذکر کیا ہے۔

یہ عجیب وغریب دلیل بھی ''الموضوعات'' کے متعلق محدثین کرام کی آرا سے ناواقفیت کی وجہ سے وجود میں آئی ہے۔ یہاں پر امام حافظ ابن حجر اور خاتم الحفاظ رحمہما اللہ کے قول کو 'الموضوعات' کے متعلق ذکر کردینا مناسب سمجھتا ہوں، ملاحظہ فرمائیں:

خاتم الحفاظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''قدیم وجدید دور کے حفاظ نے اس بات سے آگاہ کیا ہے کہ ابن الجوزی رحمہ اللہ سے ''الموضوعات'' میں بہت زیادہ تساہلی واقع ہوگئی ہے۔ انہوں نے بہت ساری ضعیف اور بعض حسن وصحیح حدیثوں کو اپنی اس کتاب میں ذکر کردیا ہے۔ اسی لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ابن الجوزی رحمہ اللہ نے 'الموضوعات' میں اور حاکم نیساپوری نے 'المستدرک' میں تساہلی کرکے ان دونوں کتابوں کے نفع کو معدوم کردیا ہے، کیونکہ ان میں کی ہر ایک حدیث میں تساہلی واقع ہونے کا احتمال ہے۔ لہٰذا ناقد حدیث پر واجب ہے کہ ان دونوں محدثین کی نقل کردہ حدیثوں کا بغیر ان کی تقلید کئے از سرِ نو تحقیق وتفتیش کرے، پھر اس کی روشنی میں فیصلہ کرے کہ وہ حدیث کس درجہ کی ہے''۔ (مقدمۃ النکت البدیعات علی الموضوعات/سیوطی)

خاتم الحفاظ امام سیوطی رحمہ اللہ کے زیرنظر رسالہ پر ابدال کی احادیث کے متعلق ناصر الدین البانی کے نقد اور اس کے جوابات ملاحظہ فرمائیں۔ ناصر الدین البانی نے لکھا۔

''فائدہ: سیوطی نے اپنے اس رسالہ کو احادیث ضعیفہ اور آثار واہیہ سے بھر دیا ہے، ان میں سے بعض حدیث بعض دوسری حدیث سے ضعف میں زیادہ شدید ہے''۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ، البانی)

جوابات ملاحظہ فرمائیں:

اولا: یہ قول امام سیوطی رحمہ اللہ پر بہتان کے سوا کچھ نہیں، یہ بہتان طرازی قارئین پر زیرنظر رسالہ پڑھنے کے بعد خود بخود واضح ہوجائے گی ان شاء اللہ، کیونکہ آپ نے اپنے اس رسالہ میں صحیح اور حسن حدیث کے ساتھ ضعیف قابل انجبار حدیثیں بطور متابعت اور شواہد ذکر کی ہیں، اور اس میں کوئی حرج نہیں، اس لیے کہ یہ تو ائمہ کرام اور محدثین عظام طریقہ کار رہا ہے، اور رہی یہ بات کہ ان میں سے بعض شدید ضعیف اس طور سے ہیں کہ ان سے استدلال نہ کیا جاسکتا تو بھی کوئی حرج نہیں، کیونکہ ہماری دلیل صحیح، حسن اور قابل انجبار ضعیف حدیثیں ہیں۔

ثانیا: بر سبیل تنزل اگر مان بھی لیا جائے کہ ابدال والی حدیث کے سارے راوی ضعیف ہیں تو بھی کوئی حرج نہیں، کیونکہ امام سیوطی رحمہ اللہ کے نزدیک ابدال والی حدیث معنی کے اعتبار سے متواتر ہے، اور حدیث ابدال کے لیے تواتر کے ثبوت کے بعد اس کے راویوں کے ضعیف ہونے اور نہ ہونے کی وجہ سے حدیث کی مقبولیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، لہٰذا خاتم الحفاظ رحمہ اللہ پر ضعیف راویوں کی حدیثیں ذکر کرنے کی وجہ سے نقد کرنا بجا نہیں، موقع کی مناسبت سے حدیث متواتر کی تعریف اور اس کا حکم بیان کردینا مناسب سمجھتا ہوں۔

حدیث متواتر کی تعریف:

امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وہ حدیث ہے جس کو اتنی مقدار میں راوی نقل کریں، جن کے ذریعہ ضروری طور پر علم یقینی حاصل ہوجائے، اس طور سے کہ ایک جماعت شروع اسناد سے آخری اسناد تک روایت کرے، جن کا جھوٹ پر اتفاق ممکن نہ ہو''۔

(بقیہ صفحہ ۵۱ پر)

مضمون تحریری انعامی مقابلہ: ۲۰۱۶ء

سیرت رسول ﷺ میں عفوودرگزر کے واقعات

محمد دانش رضا قادری امجدی، جماعت ثانیہ: جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی (مئو، یوپی)

ارشاد ربانی ہے۔"فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا". (سورۂ محمد، آیت:۴)

ترجمہ: تو جب کافروں سے تمہارا سامنا ہو تو گردنیں مارنا ہے، یہاں تک کہ جب انھیں خوب قتل کرلو تو مضبوط باندھو، پھر اس کے بعد چاہے احسان کر کے چھوڑ دو، چاہے فدیہ لے لو یہاں تک کہ لڑائی اپنا بوجھ رکھ دے۔(کنزالایمان)

"حدثنا عبدالله بن مسلمة عن مالک عن ابن شهاب عن عروة ابن زبیر عن عائشة قالت ما خیر رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم فی امرین الا اختار ایسرهما ما لم یکن اثما، فان کان اثما کان ابعد الناس منه وما انتقم رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لنفسه الا ان ینتهک حرمة الله فینتقم لله بها".
(سنن ابی داؤد کتاب الادب)

ترجمہ: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب بھی دو کاموں میں سے کسی کا اختیار دیا گیا تو آپ نے ہمیشہ آسان ہی کو اختیار کیا بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہوتا، اگر اس میں گناہ ہوتا تو آپ سب سے بڑھ کر اس سے دور ہونے والے ہوتے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی اپنی ذات کے لیے انتقام نہیں لیا ،سوائے اس کے کہ اللہ کی حرمتوں کی پامالی ہوتی ہو تو اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے انتقام لیتے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات مبارکہ جو کہ ۶۳ رسالہ زندگی پر محیط ہے، اس کا ہر پہلو مشعل راہ اور تمام امت کے لیے نمونۂ عمل ہے، جہاں پیغمبر اسلام نے بحکم الٰہی کفار ومشرکین سے جہاد کا وہ عظیم الشان کارنامہ انجام دیا ہے، وہیں بانیٔ اسلام نے اپنے اخلاق کریمانہ کے ذریعہ امت کو امن وشانتی، اخوت ومحبت، عفوودرگزر اور اعتدال وتوازن کا سرمدی پیغام بھی دیا۔ آپ تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ جب بھی کسی جماعت کا غلبہ اپنی مخالف جماعتوں پر ہوا ہے تو اس نے مخالفین پر انتقامانہ حملہ کیا۔
لیکن اس کے برعکس آپ شہنشاہ کونین اور تاجدار دو عالم ہوتے ہوئے ایسی زاہدانہ زندگی بسر فرماتے اور عفوودرگزر کا مظاہرہ کرتے تھے کہ تاریخ نبوت میں اس کی نظیر نہیں ملتی، خواہ وہ اسلام کا ابتدائی مرحلہ ہو یا فتح مکہ کا عظیم الشان واقعہ ہو۔ جب آپ تاریخ کا مطالعہ کریں گے تو پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عفوودرگزر کے واقعات وحقائق روز روشن کی طرح آپ پر عیاں ہو جائیں گے۔

واقعات عفوودرگزر

کفار قریش کی ستم گری وجفا شعاری اور جبر وتشدد کے واقعات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کو شعب ابی طالب میں تین سال تک ان ظالموں نے اس طرح قید کر رکھا تھا کہ غلہ کا ایک دانہ اندر نہیں جاسکتا تھا، بچے بھوک سے روتے بلبلاتے اور چلاتے تھے اور یہ ظالم ان کی آوازیں سن کر خوشی میں جھومتے تھے، لیکن پیغمبر اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس

کے معاوضہ میں کفار قریش کے ساتھ کیا سلوک کیا۔

تاریخ گواہ ہے کہ مکہ میں یمامہ سے غلہ آتا ہے اور یمامہ کے رئیس ثمامہ بن آثال تھے، جب یہ اسلام قبول کر کے مکہ معظّمہ میں داخل ہوئے تو قریش نے تبدیل مذہب پر ان کو طعنہ دیا، ثمامہ نے غصے میں آ کر کہا کہ خدا کی قسم! اب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر گیہوں کا ایک دانہ بھی تم لوگوں کو نہیں ملے گا، اس بندش کے باعث مکہ میں اناج کا قحط پڑ گیا۔

امام ابن ہشام نے یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت ثمامہ، یمامہ کی طرف چلے گئے اور انھوں نے اہل یمامہ کو مکہ کی طرف کوئی چیز بھیجنے سے منع کر دیا تب قریش نے اس مقدس بارگاہ کی طرف رجوع کیا جہاں سے کوئی سائل محروم نہیں لوٹتا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے ظلم و ستم اور جبر و تشدد کو درگزر فرماتے ہوئے ثمامہ کی جانب ایک مکتوب لکھا کہ بندش اٹھالو، چنانچہ حسب دستور پھر غلہ جانے لگا۔

(مفہوماً وملخصاً: بخاری شریف جلد ثانی کتاب المغازی۔ باب وفد بنی حنیفۃ حدیث ثمامہ بن اثال ص ۶۲۷/۶۲۸)

حضرت وحشی جو حبشی نژاد بنی نوفل کے غلام تھے، ایک قول کے مطابق ملیعمہ بن عدی کے غلام تھے اور ایک قول یہ ہے کہ مطعم بن عدی کے غلام تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ فتح مکہ کے روز جن لوگوں کے بارے میں یہ اعلان ہو گیا تھا کہ انھیں جہاں پاؤ قتل کر دو، انھیں میں یہ بھی تھے، فتح مکہ کے بعد یہ بھاگ کر طائف چلے گئے، جب طائف کا وفد خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو یہ بھی حاضر ہوئے۔

وحشی خود کہتے ہیں: "**قدمت علی رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم فلما رانی قال انت وحشی قلت نعم قال انت قتلت حمزة قلت قد کان من الامر ما بلغک قال فهل تستطیع ان تغیب وجهک عنی**".

ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، حضور نے جب مجھے دیکھا، فرمایا۔ تو وحشی ہے؟ میں نے عرض کیا، جی ہاں، پوچھا۔ کیا تو نے حمزہ کو قتل کیا تھا؟ میں نے عرض کیا، آپ تک جو بات پہنچی ہے، واقعہ ایسا ہی ہوا ہے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم میری نظر سے ہٹ جاؤ اور میرے سامنے کبھی نہ آنا۔ (مفہوماً وملخصاً: صحیح البخاری جلد ثانی۔ باب قتل حمزۃ ص ۵۸۳/سطر ۱۵/۱۶/۱۷)

جب شب کو آپ نے ہجرت فرمائی۔ کفار قریش کے نزدیک یہ طے شدہ امر تھا کہ صبح کو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سر تن سے جدا کر دیا جائے گا، اس لیے مخالفوں کا ایک قافلہ پوری رات خانۂ نبوی کا محاصرہ کیے رہا، باوجودیکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہاں سے ہجرت کر گئے اور دشمنوں کو خبر بھی نہ ہوئی جب صبح کو معلوم ہوا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہجرت کر گئے تو فوراً کفار قریش نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سر اقدس کی قیمت متعین کی اور اعلان عام کرایا کہ جو بھی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سر کاٹ یا انھیں گرفتار کر کے لائے گا اسے بطور انعام سو اونٹ دیا جائے گا۔

سراقہ بن جعشم پہلا شخص تھا جو انعام کے لیے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگایا اور ہاتھ میں نیزہ لیے آپ کا تعاقب کرنے لگا، جب آپ کے قریب پہنچتا تو گھوڑا ایک اچھال مارتا اور سراقہ گھوڑے سے گر جاتا، آخر دو تین دفعہ جب سراقہ بن جعشم نے یہ اعجاز نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیکھا تو فوراً نیت بد سے توبہ کی، اور سند امان مانگا، چنانچہ سند امان لکھ کر ان کے حوالے کر دیا گیا۔ پھر تقریباً اس کے آٹھ سال بعد فتح مکہ کے موقع پر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور اس جرم کے متعلق سراقہ سے کبھی نہیں پوچھا گیا۔ (مفہوماً وملخصاً: بخاری شریف جلد اول۔ باب ہجرۃ النبی ﷺ واصحاب المدینۃ ص ۱۵۵)

سفر حدیبیہ میں اہل مکہ مکرمہ کے تقریباً انیس آدمی فجر کی نماز کے وقت تنعیم کے پہاڑوں سے اترے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو قتل کر ڈالیں، مگر اصحاب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں گرفتار کر لیا اور بارگاہ نبوت میں حاضر کیا۔ بعدہ پیغمبر اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں بغیر فدیہ لیے رہا

کر دیا، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

"وھو الذی کف ایدیھم عنکم و ایدیکم عنھم ببطن مکۃ من بعد ان اظفرکم علیھم و کان اللہ بما تعملون بصیرا". (مفہوماً وملخصاً: سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد۔ باب فی المن علی الاسیر بغیر فداء)

کفار مکہ نے وہ کون سے مصائب وآلام کے پہاڑ تھے جو آپ کے اوپر نہ توڑے تھے، ان ظالموں سے انتقام لینے کا سب سے بڑا موقع فتح مکہ کا دن تھا، جب یہ سارے دشمنان نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کے لشکروں کے محاصرہ میں محصور ہوکر خوف و دہشت سے لرزہ براندام ہو رہے تھے، لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان ظالموں کو یہ کہہ کر بغیر فدیہ لیے درگزر فرما دیا:

"لاتثریب علیکم الیوم فاذھبوا انتم الطلقاء".

ترجمہ: تم پر کوئی ملامت نہیں۔ جاؤ، تم سب آزاد ہو۔

حضرت ثقیف جو مذہب اسلام کے دامن سے وابستہ ہونے سے پہلے مسلمانوں پر ظلم وتشدد کے کے پہاڑ توڑے، مذہب اسلام کی تبلیغ واشاعت کرنے والے حضرت عروہ بن مسعود پر تیروں کی بارش کی حتیٰ کہ ان کو شہید کر دیا "**انا للہ وانا الیہ راجعون**" شہادت عروہ کے چند مہینوں بعد حضرت ثقیف بارگاہ نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوکر بیعت کی اور مذہب اسلام کے دامن سے وابستہ ہو گئے اور پیغمبر اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے گزشتہ جرائم درگزر فرما دیا۔ (مفہوماً وملخصاً: السیرۃ النبویہ جلد چہارم ص۱۳۹/وسنن ابی داؤد)

حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ سرکار مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ نجد کی طرف گھوڑ سواروں کو بھیجا۔ وہ بنوحنیفہ کے ایک آدمی کو گرفتار کر کے لے آئے، جن کا نام تمامہ بن اثال تھا اور ان کو مسجد کے ستون میں باندھ دیا، پس جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو پوچھا اے تمامہ! تم کیا چاہتے ہو تو اس نے جواب دیا اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں خیر کا ارادہ رکھتا ہوں اور اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو ایک ایسے شخص کو کریں گے جو کسی اور کا قاتل ہے اور اگر مجھ پر احسان کریں گے تو ایک شکر گزار پر احسان فرمائیں گے اور اگر مال ودولت چاہتے ہیں تو سوال کیجئے، سو ان کو ایسی حالت پر چھوڑ دیا گیا، حتیٰ کہ دوسرے روز آپ نے وہی سوال کیا اور تمامہ بن اثال کا جواب وہی تھا، پھر آپ نے تیسرے روز وہی سوال کیا تو تمامہ بن اثال نے کہا میرا جواب وہی ہے جو میں پہلے آپ سے کہہ چکا ہوں، یہ سن کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمامہ کو آزاد کر دو، جب تمامہ کو آزاد کر دیا گیا تو تمامہ پر اس خلاف توقع لطف وعنایت کا یہ اثر ہوا کہ ایک درخت کے قریب جا کر تمامہ نے غسل کیا اور مسلمان ہو گئے، اور عرض کی یا حبیبی یا رسول اللہ! دنیا میں میرے نزدیک آپ کے چہرہ سے زیادہ کوئی چیز مبغوض نہ تھا اور اب آپ کے چہرہ سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں۔ میرے نزدیک کوئی دین دین اسلام سے زیادہ مبغوض نہ تھا اور اب دین اسلام میرے نزدیک تمام ادیان سے زیادہ محبوب ہے۔ کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ ناپسند نہ تھا اور اب آپ ہی کا شہر سب سے زیادہ پسند ہے۔ (مفہوماً وملخصاً: بخاری شریف، کتاب المغازی۔ باب وفد بنی حنیفہ ص۶۲۸/۶۲۷)

حضرت ابوسفیان قبل از اسلام کیسے تھے، غزوات نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک ایک حرف اس پر شاہد ہیں۔ بدر سے لے کر فتح مکہ تک جتنی جنگ ہوئی، ان میں اکثر وبیشتر ابوسفیان ہی پیش پیش نظر آتے تھے، لیکن پیغمبر اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عفو ودرگزر کا کیا پوچھنا کہ جب فتح مکہ کے دن ابوسفیان حضرت عباس کے ہمراہ خدمت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گزشتہ جرائم کے پاداش میں ابوسفیان کے قتل کا قصد کیا تو فوراً پیغمبر اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں منع فرمایا اور خود آگے بڑھ کر ابوسفیان کو گلے لگایا اور ان کے گھر کو امن و امان کا حرم بنا دیا۔ (مفہوماً وملخصاً: بخاری شریف جلد ثانی، باب این رکز النبی الرایۃ یوم الفتح ص۶۱۳) (بقیہ صفحہ ۲۵ پر)

تعلیمی مسائل

قسط نہم

میڈیکل سائنس کے تعلیمی پروگرام

{Academic Programmes of Medical Science}

طارق انور مصباحی (کیرلا)

مؤرخ شہیر شمس الدین ذہبی شافعی (۶۷۳ھ-۷۴۸ھ) نے لکھا﴿قَالَ حَرْمَلَةُ: كَانَ الشَّافِعِيُّ يَتَلَهَّفُ عَلٰى مَا صَنَعَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنَ الطِّبِّ وَيَقُوْلُ: ضَيَّعُوْا ثُلُثَ الْعِلْمِ وَوَكَّلُوْهُ اِلَى الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى﴾ (تاریخ الاسلام ج۱۴ص۱۸۰)

ترجمہ: عالم قریش، مجتہد مطلق حضرت امام محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱۵۰ھ-۲۰۴ھ) فن طب سے متعلق مسلمانوں کے عمل پر افسوس ظاہر کرتے تھے اور فرماتے کہ مسلمانوں نے ایک تہائی علم (یعنی علم طب) کو ضائع کر دیا اور اسے یہود و نصاریٰ کے سپرد کر دیا۔

طبابت و معالجہ کی متعدد اقسام اور کئی ایک شعبہ جات ملک ہند میں رائج ہیں۔بعض امراض میں بعض شعبہ کامیاب ہے تو بعض دیگر امراض میں دوسرا شعبہ کارگر ثابت ہوتا ہے۔اسی طرح بعض افراد کے لیے کوئی شعبہ مفید و شفا بخش ہوتا ہے، دوسرے کے لیے کوئی اور شعبہ۔ ہند میں فن طب کے مشہور شعبہ جات درج ذیل ہیں۔

(1) ایلو پیتھک{Allopathic} (2) ہومیو پیتھک{Homeopathic}

(3) آیورویدک{Ayurvedic} (4) یونانی{Unani}

میڈیکل سائنس کے مختلف قسم کے تعلیمی پروگرام ہیں۔ایلو پیتھک کے تعلیمی پروگراموں کی فیس کچھ زیادہ ہوتی ہے۔اگر گنجائش نہ ہو تو دیگر فنون طب کی جانب مراجعت کی جاسکتی ہے۔دیگر اقسام طب کے ماہرین بھی مریضوں کے لیے مرجع بن جاتے ہیں، گرچہ عہد حاضر میں ابتدائی رجحان ایلو پیتھک کی طرف ہوتا ہے۔

ذیل میں تعلیمی پروگراموں کا ماڈل اور نقشہ تحریر کیا جا رہا ہے۔کسی خاص تعلیمی ادارہ کا ذکر صرف اس لیے ہے کہ وہاں کے اعتبار سے تفصیلات درج کی گئی ہیں، ورنہ یہ تعلیمی پروگرام دیگر یونیورسٹیوں میں بھی دستیاب ہوسکتے ہیں۔مختلف شہروں میں میڈیکل سائنس میں ایڈمیشن کی تیاری کے لیے کوچنگ سنٹر ہے۔انٹرنیٹ سے کا اپنا قریبی کوچنگ سنٹر معلوم کر کے وہاں سے تفصیل دریافت کر لیں۔

(1) ایم بی بی ایس{Bachelor of Medicine and Bachelor of Surgery *MBBS}

شرائط داخلہ

(۱) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے سینئر سیکنڈری اسکول کا اکزام پاس کیا ہو، یا کوئی ایسا اگزام پاس کیا ہو، جو سینئر سیکنڈری اسکول کے سرٹیفکیٹ کے مساوی اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے تسلیم شدہ ہو۔

(۲) داخلہ کے وقت امیدوار کی عمر کم از کم سترہ سال ہو۔

(۳) داخلہ ایڈمیشن ٹسٹ کے ذریعہ ہوگا۔

(الف) ٹسٹ اگزام کے دو پیپر ہوں گے۔{Tire-1 & Tire-2}
(ب) سلیکشن کے لیے امیدوار کو{Tire-2} میں کم از کم پچاس فیصد نمبر{50% Marks} حاصل کرنا ہوگا۔
(ج) ٹسٹ اگزام میں کیمسٹری، فزکس، بوٹنی اور زولوجی{Chemistry, Physics, Botany and Zoology} سے متعلق ۲۰۰/نمبر{200/ Marks} کے دو سو سوالات{200/ Questions} ہوں گے۔
مدت تعلیم: ساڑھے چار سال۔ تعلیمی ادارہ: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ)

(2) بی ڈی ایس{Bachelor of Dental Surgery *B.D.S.}

شرائط داخلہ

داخلہ کے تمام شرائط وہی ہیں جو ایم بی بی ایس کے لیے ہیں۔
مدت تعلیم: پانچ سال۔ چار سال تعلیم، ایک سال تجرباتی انٹرن شپ{Rotatory Internship}
تعلیمی ادارہ: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ)

(3) بی یو ایم ایس{Bachelor of Unani Medicine and Surgery *BUMS}

شرائط داخلہ

(۱) سینئر سیکنڈری (بارہویں کلاس)/انٹرمیڈیٹ فزکس، کیمسٹری اور بائیولوجی {Physics, Chemistry and Biology} کے ساتھ پاس کیا ہو، یا اس کے مساوی کوئی اگزام پاس کیا ہو۔
(۲) مجموعی نمبر پچاس فیصد{50% Marks in Aggregate} سے کم نہ ہو۔
(۲) داخلہ کے وقت عمر کم از کم سترہ سال ہو۔ (۳) داخلہ ایڈمیشن ٹسٹ کے ذریعہ ہوگا۔
ٹسٹ کے دو پیپر{Paper-I & Paper-II} ہوں گے۔
(الف) پہلا پیپر ایک سو پچاس نمبر{150/ Marks} کا ہوگا، جو ایک سو پچاس سوالات{150/ Questions} پر مشتمل ہوگا۔
(ب) دوسرا پیپر ۸۷/سوالات{87/ Questions} پر مشتمل ایک سو نمبر{100/ Marks} کا ہوگا۔
پہلا پیپر بائیولوجی (بوٹنی اور زولوجی)، فزکس اور کیمسٹری {Biology (Botany and Zoology) Physics & Chemistry} سے متعلق سوالات پر مشتمل ہوگا، جبکہ دوسرے پیپر میں اردو (دسویں کلاس کی معیار کی جدید اردو) اور جنرل نالج {Urdu (Adv. Urdu of 10th Standard Level) & General knowledge} سے متعلق سوالات ہوں گے۔
مدت تعلیم: ساڑھے پانچ سال۔ ساڑھے چار سال تعلیم، ایک سال تجرباتی انٹرن شپ ٹریننگ{Rotatory Internship Training}
تعلیمی ادارہ: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ)

نیٹ اگزام

{National Eligibility Test *NET}

یونیورسٹی گرانٹس کمیشن{University Grants Commission *UGC} کی جانب سے سنٹرل بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن{Central Board of Secondry Education *CBSE} ہر سال نیٹ اگزام {National Eligibility

{Test *NET} منعقد کرتا ہے۔ اس امتحان کے دو مقاصد ہیں۔
(۱) یونیورسٹیوں اور کالجوں میں اسسٹنٹ پروفیسر کے لیے امیدوار کی قابلیت {Eligibility for Assistant Professor} کی جانچ کرنا۔
(۲) جونیئر ریسرچ فیلوشپ {Junior Research Fellowship *JRF} کے لیے امیدوار کی اہلیت کی جانچ کرنا۔
(الف) امیدوار صرف معاون پروفیسر کی قابلیت کے امتحان یا معاون پروفیسر اور جونیئر ریسرچ فیلوشپ کی اہلیت کے امتحان کے لیے اپلائی کر سکتا ہے۔
(ب) صرف جے آر ایف کے لیے اپلائی {Apply} کی صورت نہیں ہے۔
یہ تفصیل اپلی کیشن فارم {Application Form} پر کرنے {Fillup} کے وقت ذہن نشیں رہنی چاہئے۔
(ج) اس امتحان میں صرف اہل ہند {Indian Nationals} کو شرکت کی اجازت ہے۔

مضامین ومقامات

سی بی ایس ای بہت سے مضامین {Subjects} کے لیے منتخب شہروں {Selected Cities} میں نیٹ اگزام کا نظم کرتا ہے۔ ہر سال سی بی ایس ای کی جانب سے یو جی سی نیٹ اگزام کے لیے نوٹیفکیشن {Notification for UGC-NET Exam} جاری ہوتا ہے۔ اس میں مضامین کی تفصیل مرقوم ہوتی ہے۔

نیٹ اگزام میں شرکت کے شرائط

تعلیمی قابلیت

(۱) امیدوار یو جی سی {UGC} کے یہاں تسلیم شدہ {Recognised} کسی یونیورسٹی یا تعلیم گاہ {Institution} سے ماسٹر ڈگری {Master,s Degree} حاصل کیا ہو، یا ماسٹر ڈگری کے کوئی مساوی امتحان {Equivalent exam} پاس کیا ہو۔
(۲) عام امیدوار {General Candidate} ماسٹر ڈگری کے امتحان میں پچپن فیصد نمبر {55% Marks} حاصل کیا ہو۔
(۳) او بی سی، ایس سی، ایس ٹی، پی ڈبلیوڈی {OBC,SC,ST,PWD} کے زمرہ {Category} سے تعلق رکھنے والے امیدوار کو ماسٹر ڈگری یا اس کے مساوی امتحان میں پچاس فیصد نمبر {50% Marks} حاصل کرنا ضروری ہے۔
(۴) ماسٹر ڈگری یا مساوی امتحان کے مضامین وہی ہوں، جو نیٹ اگزام کے لیے منظور کیے گئے ہوں۔ یہ قریباً ایک سو مضامین ہیں۔ اس کی تفصیل نوٹیفکیشن میں موجود ہوتی ہے۔ اسی طرح یو جی سی کی ویب سائٹ سے بھی ڈاؤن لوڈ کیے جا سکتے ہیں۔
ویب سائٹ: www.ugc.ac.in
(۵) جس امیدوار نے ماسٹر ڈگری یا مساوی ڈگری کا فائنل اگزام {Final Exam} ابھی نہیں دیا ہے، یا اس کا رزلٹ ابھی نہیں آسکا ہے، یا جس کا امتحان مؤخر ہو چکا ہو، وہ بھی نیٹ اگزام میں شریک ہو سکتا ہے (بشرطیکہ فائنل امتحان سے ماقبل کا امتحان دے چکا ہو)
آخر الذکر امیدوار نیٹ اگزام کے ذریعہ جے آر ایف کا مستحق یا اسسٹنٹ پروفیسری کا اہل اسی وقت قرار پائے گا، جب وہ ماسٹر ڈگری یا مساوی ڈگری کا فائنل امتحان پچپن فیصد نمبر سے پاس کر لے (او بی سی، ایس سی، ایس ٹی، پی ڈبلیوڈی امیدوار پچاس

فیصد نمبر سے کامیابی حاصل کرلے)۔ایسے امیدوار کے لیے لازم ہے کہ وہ ماسٹر ڈگری یا مساوی ڈگری کا فائنل امتحان نیٹ اگزام کے رزلٹ آؤٹ ہونے کی تاریخ سے دو سال کے اندر مکمل کرلے، ورنہ وہ نااہل قرار دیا جائے گا۔اسی طرح ماسٹر ڈگری ومساوی ڈگری کے امتحان میں پچپن فیصد نمبر بھی حاصل کرنا ضروری ہے۔(او بی سی، ایس سی، ایس ٹی، پی ڈبلیو ڈی امیدوار پچاس فیصد نمبر حاصل کرنا لازم ہے)

امیدوار کی عمر

(۱) جونیر ریسرچ فیلوشپ{JRF} کے لیے امیدوار کی عمر 28 / سال سے زیادہ نہ ہو۔

او بی سی، ایس سی، ایس ٹی، پی ڈبلیو ڈی{OBC,SC,ST,PWD} سے تعلق رکھنے والے امیدواران اور عورتوں کے لیے مزید پانچ سال کی مہلت ہے، یعنی 33 / سال تک اگزام میں شرکت کی اجازت ہے۔

(۲) اسسٹنٹ پروفیسر کے لیے زائد عمر کی کچھ حد بندی نہیں۔

اگزام فیس

(الف) برائے عام امیدواران: چھ سو روپے (ب) برائے او بی سی: تین سو روپے

(ج) برائے ایس سی، ایس ٹی، پی ڈبلیو ڈی{Person with Disability}: ایک سو پچاس روپے۔

امتحانی سوالات ومضامین

(۱) امتحان کے تین پیپر ہوتے ہیں اور تینوں پیپر میں معروضی قسم کے سوالات{Objective Type Questions} ہوتے ہیں۔ ہر پیپر کا ہر ایک سوال 2 / نمبر کا ہوتا ہے۔

پہلا پیپر ایک سو نمبر{100 Marks} کا ہوتا ہے۔اس میں ساٹھ سوالات ہوتے ہیں، جن میں سے پچاس سوالوں کا جواب دینا ہے۔

دوسرا پیپر بھی ایک سو نمبر{100 Marks} کا ہوتا ہے ۔اس میں پچاس سوالات ہوتے ہیں اور ان تمام کا جواب لازمی ہوتا ہے۔

تیسرا پیپر ایک سو پچاس نمبر{1,50 Marks} کا ہوتا ہے۔اس میں پچھتر سوالات ہوتے ہیں۔ ہر ایک کا جواب لازمی ہوتا ہے۔

(۲)(الف) پہلا پیپر عام امور سے متعلق ہوتا ہے۔اس میں امیدوار کی تدریسی لیاقت یا تحقیقی قابلیت کا جائزہ لیا جاتا ہے۔اس سے امیدوار کے طریق استدلال، فہم وادراک، مختلف افکار وخیالات اور معلومات عامہ کی جانکاری کا نقشہ ظاہر ہو جاتا ہے۔

(ب) دوسرا پیپر اور تیسرا پیپر امیدوار کے منتخب کردہ مضامین{Selected Subjects} سے متعلق ہوتا ہے۔ان دونوں کے تمام سوالوں کے جواب لازمی ہوتے ہیں۔

امتحان کے نتائج اور کامیابیوں کے مراحل

کل چار مراحل{4 Steps} میں اسسٹنٹ پروفیسر کی قابلیت اور جونیئر فیلوشپ کی لیاقت کا فیصلہ ہوتا ہے۔

پہلا مرحلہ: (الف) عام امیدواروں{General Candidates} کو فرسٹ اور سکنڈ پیپر میں چالیس فیصد{40%} اور تھرڈ پیپر میں پچاس فیصد{50%} نمبر حاصل کرنا ضروری ہے۔

(ب) او بی سی، ایس ٹی، ایس سی اور پی ڈبلیو ڈی کو فرسٹ وسکنڈ پیپر میں پینتیس فیصد{35%} اور تھرڈ پیپر میں چالیس فیصد{40%} نمبر

حاصل کرنا ضروری ہے۔

دوسرا مرحلہ: جوامیدواران، مذکورہ فیصد کے اعتبار سے نمبر حاصل کرتے ہیں، ان کی ایک میرٹ لسٹ{Merit List} مضمون کے اعتبار سے{Subject-Wise}اور زمرہ کے اعتبار سے{Category-Wise} تیار کی جاتی ہے۔

تیسرا مرحلہ: میرٹ لسٹ میں موجود ہر مضمون اور ہر زمرہ کے زیادہ نمبر والے پندرہ فیصد امیدواروں{Top 15% Candidates} کو اسسٹنٹ پروفیسر کے قابل ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

چوتھا مرحلہ: جوامیدوار تیسرے مرحلہ میں اسسٹنٹ پروفیسر کے لیے اہل قرار دیا گیا ہو، اور جے آر ایف کے لیے بھی انہوں نے اپلائی کی تھی، ان امیدواروں کو ایک خاص فارمولہ{Formula} کے تحت مضمون اور زمرہ کے اعتبار سے جے آر ایف کے لیے منتخب کیا جاتا ہے۔

جے آر ایف وایس آر ایف{JRF & SRF}

یو جی سی{UGC} کی نگرانی میں ریسرچ اور پی ایچ ڈی کرنے کے لیے وظیفہ کا انتظام گورنمنٹ کی مختلف اسکیموں {Schemes} کی جانب سے مختلف مضامین کے لیے ہوتا ہے۔ بعض اسکیم کے تحت دوسال کے لیے، بعض کے تحت تین سال کے لیے اور بعض اسکیم کے تحت پانچ سال کے لیے ریسرچ اور پی ایچ ڈی کے لیے وظائف دیئے جاتے ہیں۔

وظائف کی مقدار مختلف ہوتی ہے۔ حالیہ سالوں میں بعض اسکیم کا وظیفہ چودہ ہزار ہے تو بعض مضامین میں ریسرچ کا وظیفہ اٹھائیس ہزار تک ہے۔ پھر اسکالرشپ ہولڈرس {Scholarship Holders} کو سالانہ{Annum} ہنگامی رقم {Contingency Amount} ملتی ہے۔ ہر اسکیم کی سالانہ ہنگامی رقم کی مقدار بھی جداگانہ ہوتی ہے۔ یہ رقم بعض اسکیم میں دس ہزار ہے تو بعض اسکیم میں ایک لاکھ ہے۔

پی ایچ ڈی کے لیے جو وظیفہ {Scholarship} ملتا ہے، وہ دوحصوں میں منقسم ہے۔ ابتدائی دوسالوں میں ایم فل{M.Phil} کے لیے وہ وظیفہ، جے آر ایف{Junior Research Fellowship *JRF} کے نام سے دیا جاتا ہے۔ پھر آخری تین سالوں میں ڈاکٹریٹ{Doctorate} کے لیے اسیسمنٹ کمیٹی رپورٹ{Assessment Committee Report} کی سفارش {Recommendation} پر وظیفہ میں اضافہ کردیا جاتا ہے، اور اسے ایس آر ایف {Senior Research Fellowship *SRF} کہا جاتا ہے۔

ھدایت: مختلف شہروں میں نیٹ اگزام کی تیاری کے لیے کوچنگ سنٹرز ہیں۔ انٹرنیٹ سے کا اپنا قریبی کوچنگ سنٹر معلوم کر کے وہاں سے تفصیل دریافت کرلیں۔

پلی درس{Palli Dars}

جو ہو سکے تو کرو چاک پردۂ ظلمت ستارہ بن کے چمکنے سے کچھ نہیں ہوتا

ریاست کیرلا میں مساجد میں باضابطہ درس ہوتا ہے، جو ''پلی درس''{Palli Dars} کے نام سے متعارف ہے۔ ہر مسجد میں پانچ / چھ استاد ''پلی درس'' کے لیے مقرر کیے جاتے ہیں۔ اسکول کی طرح ''پلی درس'' میں باضابطہ سات کلاس ہوتے ہیں۔ اس کا ایک مستقل نصاب تعلیم ہے۔ اسکولی طرز پر امتحانات بھی ہوتے ہیں۔ حکومتی اسکول کے خارج اوقات میں یہ درس ہوتا ہے، یعنی شام بعد نماز عصر ومغرب

اور صبح بعد نماز فجر درس ہوتا ہے۔ اسکول کے اوقات میں وہ طلبا عصری تعلیم کے لیے اسکول جاتے ہیں۔ پلی درس سے فراغت کے بعد طلبا نصف عالم ہو جاتے ہیں۔ اس طرح کیرلا میں عصری تعلیمات کے ساتھ مذہبی تعلیم بھی دیگر علاقہ جات ہندیہ کی بہ نسبت زیادہ فروغ پذیر ہے۔ مسلمانوں نے اسلامی مدارس کے ساتھ مختلف قسم کے عصری اسکول وکالج بھی قائم کیے ہیں۔ حدیث نبوی ہے۔

﴿عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤمِنِ، حَیْثُمَاوَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا﴾ (سنن ابن ماجہ باب الحکمۃ - سنن ترمذی باب فضل الفقہ علی العبادۃ)

ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: علم وحکمت مومن کا گمشدہ خزانہ ہے، جہاں کہیں اسے وہ پائے، وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔

چونکہ ریاست کیرلا میں شوافع آباد ہیں۔ مسلک شافعی کے اعتبار سے نماز فجر کی جماعت کچھ تاریکی رہتے (بوقت غلس) ادا کی جاتی ہے۔ اس لیے جس وقت ہندوستان کے دیگر علاقوں میں نماز فجر کی جماعت ہورہی ہوتی ہے، اس وقت کیرلا میں مسلم بچے اور بچیاں کتابیں لے کر پلی درس کی یونیفارم زیب تن کیے ہوئے مساجد کی جانب جارہے ہوتے ہیں۔ علی الصباح سفید کپڑوں میں ملبوس ایک ساتھ درس گاہ کی جانب جاتے ہوئے طلبا وطالبات کا سہانا منظر قابل دید ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ کوئی آفاقی مخلوق ابھی ابھی آسمان سے اتر کر سوئے حرم جارہی ہو۔ طلبا وطالبات کا یہ جلوس اسلامی تہذیب وثقافت کا ایک دلکش، جاذب نظر اور خوشنما نظارہ پیش کرتا ہے۔

ملیالم زبان میں مسجد کو ''پلی'' کہا جاتا ہے۔ اس طرح پلی درس کا مفہوم ''مسجد کا درس'' ہوا۔ جب کوئی ان چھوٹے چھوٹے بچوں اور بچیوں کو انتہائی سلیقہ کے ساتھ طلوع آفتاب سے بھی قریباً نصف گھنٹہ قبل مساجد کی جانب رواں دواں دیکھتا ہے تو فطری طور پر انتہائی مسرت و شادمانی محسوس کرتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ''طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ'' (سنن ابن ماجہ باب فضل العلما) چودہ سو سال قبل کائنات انسانی کے گوش گذار ہوا تھا۔ آج تک کس خوش اسلوبی کے ساتھ اس پر عمل ہو رہا ہے، یہ نظارہ ریاست کیرلا ہی میں دیکھنے کو ملتا ہے۔

اسی وقت کیرلا کے اقامتی مدارس وجامعات میں طلبا اپنے اپنے کلاس روم میں تلاوت قرآن کررہے ہوتے ہیں۔ کلاس روم کی الماریوں میں بچوں کی درسی کتابوں کے علاوہ طلبا کی تعداد کے مطابق قرآن مجید کے نسخے بھی موجود ہوتے ہیں۔ دس منٹ تلاوت قرآن کے بعد طلبا کو اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے قریباً ایک/ ڈیڑھ گھنٹہ فرصت دی جاتی ہے۔ اس کے بعد کلاس کا آغاز ہوتا ہے۔ عمدہ نظام، تمام امور میں باضابطگی، طلبا واساتذہ کی ضروریات کا خیال، خورد ونوش کا مناسب نظم، رہائش گاہ وکلاس روم میں خوش اسلوبی کا لحاظ جس قدر کیرلا کے مدارس میں دیکھنے کو ملتا ہے، دیگر ریاستوں کے مدارس وجامعات میں بھی وہی طریقہ کار آ جائے تو اسے ایک خوش آئند اور حسین انقلاب کا لقب دیا جاسکتا ہے۔ ہاں، اب کچھ تبدیلیاں بعض مدارس میں دیکھنے کو مل رہی ہیں، لیکن وہ قلیل التعداد ہیں۔

پلی درس کا نصاب تعلیم، نظام تعلیم، امتحانات وغیرہ ''سمستھا کیرلا سنی جمیعۃ العلما'' کے زیر اہتمام ہیں۔ سمستھا کیرلا کی ذیلی کمیٹی ''جمیعۃ المعلمین'' پلی درس کی نگرانی اور اس سے متعلق منصوبہ سازی کرتی ہے۔ نصابی کتابوں کی اشاعت سمستھا کیرلا کے زیر انتظام ہوتی ہے۔ ریاست بھر کے پلی درس میں وہی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ اس طرح شعبہ نشر واشاعت سے ''سمستھا کیرلا'' کو ہر سال ایک بڑی آمدنی حاصل ہوتی ہے، جو تنظیمی امور میں صرف ہوتی ہے۔

ریاست کیرلا میں عصری تعلیمات کے لیے بھی مسلمانوں کے پاس بہت سے اسکول وکالج ہیں۔ سمستھا کیرلا کے زیر اہتمام قریباً

65 / دعوہ کالج ریاست کیرلا کے مختلف شہروں میں ہیں، جن میں دینی وعصری تعلیم کا مشترکہ انتظام ہے۔ کیا شمالی ہند میں بھی ایسا ماحول رونما ہوسکتا ہے؟ شاید موجودہ وقت میں اس کا مثبت جواب دینا مشکل ہے، اور ناامیدی بھی مومن کی شان نہیں۔ رب تعالیٰ انقلاب آفریں شخصیات کو پیدا فرمائے، تاکہ ہماری امیدیں برآئیں۔ آمین بجاہ النبی الکریم علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیم

ایک زمانہ تھا کہ علوم اسلامیہ کے ساتھ علوم عصریہ کی قیادت وسیادت بھی مسلمانوں کے پاس تھی۔ آج عربی ممالک کے پاس دولت وثروت ہے، لیکن کام کے لیے انجینیر وسائنس داں یورپی ممالک سے منگائے جاتے ہیں۔ اہل یورپ، مسلم دانشوروں کے علوم و اکتشافات اور ایجادات وتحقیقات کو اپنا کر سب سے فائق وبالاتر ہوگئے، اور قوم مسلم ان کے دریوزہ گر ہو کر رہ گئی۔ جن علوم وفنون کے سبب آج اہل یورپ خود کو تمام اہل عالم سے زیادہ ترقی یافتہ سمجھتے ہیں، وہ علوم واکتشافات قوم مسلم کے کاشت کردہ ہیں۔ زراعت ہم نے لگائی، فصل وہ کاٹ رہے ہیں۔

آج بھی ہمیں علوم شرعیہ کے ساتھ علوم حاضرہ کی جانب متوجہ ہونا چاہئے۔ شمالی ہند کے مکاتیب میں دینی تعلیم کا نظم قوی ومستحکم نہیں ہے۔ مساجد ومکاتیب میں کلاس سسٹم قائم کر کے عمدہ دینی تعلیم کا نظم ہو۔ اسکول، کالج ویونیورسٹی میں عصری واعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی بھی ترغیب دی جائے۔ ہمارے موجودہ نظام تعلیم کے سبب دینی تعلیم پانے والا عصری تعلیم سے محروم رہتا ہے، اور عصری تعلیم پانے والا دینی تعلیم سے محروم ہوجاتا ہے۔ گاؤں وشہر کے مکاتیب کے لیے باضابطہ نصاب تعلیم تشکیل دیا جائے۔ تعلیم مکمل کرنے والے طلبا وطالبات کو دینیات کا سرٹیفیکیٹ بھی دیا جائے۔ مساجد میں ائمہ کرام کے ساتھ چند مدرسین کی بھی تقرری ہو۔

اسلامی تعلیمی بورڈ آف انڈیا

ریاست کیرلا کی مشہور وممتاز تعلیم گاہ مرکز الثقافۃ السنیہ (کالیکٹ کیرلا) کے زیر اہتمام ''اسلامک ایجوکیشنل بورڈ آف انڈیا'' {Islamic Educational Board of India *IEBI} شمالی ہند میں مکتب کی تعلیم کی اصلاح کے لیے کئی دہائیوں سے کوشش و کاوش میں مصروف ہے۔ اردو زبان میں ایک مستقل نصاب تعلیم اس نے ترتیب دیا ہے۔ اس سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

ویب سائٹ:{www.iebi.net} ای میل:{iebidelhi@gmail.com}

موبائل نمبر:{9868096462, 9633446063}

یوپی اے حکومت{UPA Government} کی جانب سے قائم کردہ سچر کمیٹی{Sachar Committee} کی رپورٹ کے مطابق اقامتی مدارس میں صرف چار فیصد بچے تعلیم پاتے ہیں۔ لہٰذا باقی ماندہ 96 / فیصد مسلم بچوں وبچیوں کے لیے بھی لائحہ عمل ترتیب دیا جائے۔ جو مسلم بچے اور بچیاں مدارس سے غائب ہیں، وہی اکثریت، بلکہ بھاری اکثریت میں ہیں۔ پس لامحالہ ان کے متعلق غور وخوض کرنا ایک لازمی امر ہے۔ کیرلا کے جس طریقہ تعلیم کا میں ذکر کر رہا ہوں، وہ دین ودنیا ہر اعتبار سے مناسب ہے، کیونکہ شمالی ہند کے اقامتی مدارس میں بھی طلبا کے لیے کسی ایسے علم وہنر کا انتظام نہیں ہوتا کہ بعد فراغت طلبا گذر معاش کے لیے اسے اپنا سکیں۔ انجام کار گھوم پھر کر انہیں مساجد ومدارس کے دروازوں پر دستک دینا پڑتا ہے۔

غیر اقامتی مدارس کے نظم ونسق میں خرچ کم ہے اور فوائد کا دائرہ تمام مسلمین کو محیط ہے۔ اس کے انتظامات کے لیے بھی زیادہ بھاگ دوڑ نہیں کرنی ہے، بلکہ اہل محلہ کو ترغیب دی جائے۔ دینی تعلیم کے فروغ کے ساتھ قوم کی معاشی ترقی کے لیے بھی کوشش وکاوش کی جائے، تاکہ مستقبل میں دینی ومذہبی امور کی تکمیل کے ذرائع مہیا ہوسکیں۔ اگر ہندوستانی مسلمان غربت وتنگدستی میں مبتلا ہوجائیں (بقیہ صفحہ آخر پر)

خضر راہ

اس کالم میں قارئین ودانشوران ملت کے مختلف مسائل پر خیالات اور حاصل مطالعہ وغیرہ شامل کیے جاتے ہیں۔(ادارہ)

یہ وہ وفات ہے جس کی خبر نہیں ہوتی

جرار احمد، کریم الدین پور، گھوسی، مؤ، یوپی
9618783492 jarrarurb@gmail.com

آج جب ہم مسلم معاشرے پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ پاتے ہیں کہ پہلے کی بہ نسبت تعلیم کی طرف رغبت بڑھی ہے اور ابنائے آدم کے ساتھ ساتھ بنات حوا بھی گھر سے باہر دور دراز کا سفر کر کے تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔ اس پہل کا پورا کریڈٹ گارجین کو جاتا ہے، اس ضمن میں چند باتیں تمام امت مسلمہ اور ہم وطنوں کے گوش گذار کرنا چاہوں گا کہ جہاں تک تعلیم کی بات ہے، یہ ایک بہت ہی اچھی چیز اور مستحسن پیش رفت ہے، مگر اس کے ساتھ ہی ہمیں ان کی تربیت پر بھی دھیان دینا ہوگا۔ تربیت اتنی اہم شئی ہے کہ بعض مفکرین نے تعلیم سے زیادہ تربیت پر زور دیا ہے، مگر اکثر والدین اپنی مصروفیات کے باعث اپنے بچوں کی تربیت سے قاصر رہتے ہیں، حالاں کہ دوسری تمام چیزیں جیسے روپیہ پیسہ اور ضرورت وآسائش کی دیگر تمام چیزیں اپنے بچوں کو فراہم کرتے ہیں، سوائے تربیت کے۔

شاید اسی چیز کے پیش نظر ابن صفی نے اپنے ناول میں لکھا ہے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بچوں کے لیے جسمانی زندگی کی آسائشیں مہیا کر دینے تک ہی ان کے فرائض محدود ہیں، بچوں کی ذہنی زندگی سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ یہ بے حد خطرناک ہے۔ حمید صاحب بے حد خطرناک'' اور سچ میں یہ بے حد خطرناک ہے۔ پہلے جب مشترکہ خاندان کا تصور عام تھا تو اس وقت گھر کے بڑے بزرگ دادا، دادی وغیرہ بچوں کی تربیت کر دیا کرتے تھے اور بچے بھی ان سے جذباتی طور سے جڑے رہتے تھے جو کہ ایک فطری ضرورت ہے، مگر آج نکلیئر فیملی ہونے کی وجہ سے والدین اپنی مصروفیات کے باعث اپنے بچوں سے جذباتی طور سے جڑ نہیں پاتے ہیں۔ نتیجتاً بچوں کی پرورش اور ان کی تربیت صحیح نہج پر نہیں ہو پاتی ہے اور اس بات کا احساس تک والدین کو نہیں ہوتا ہے، کیوں کہ وہ جسمانی آسائش کی تمام چیزیں فراہم کر کے مطمئن رہتے ہیں، مگر بچہ کسی ایسے شخص کی تلاش میں رہتا ہے جس سے کہ وہ جذباتی طور سے جڑ سکے، جس کے نتیجے میں نئے رشتے (گرل فرینڈ، بوائے فرنڈ وغیرہ) جنم لیتے ہیں، پھر یہ لوگ اپنی توجہ تعلیم پر مرکوز کرنے کے بجائے رشتوں کو نبھانے میں کہیں اور بھٹک کر ملک بھسم کے راہی بن جاتے ہیں اور ان کا کریئر اور زندگی تباہی کے دہانے پر آ جاتا ہے۔

جس طرح سے ابن صفی نے اپنی بات والدین پر کہی، ہم اسی کو نظر میں رکھ کر اپنی یہ بات آپ کے حوالے کر رہے ہیں کہ ''بعض بچے یہ سمجھتے ہیں کہ اوپر سے ہی ماں باپ کا کہنا مان لینا کافی ہے یعنی انہوں نے پڑھنے کو کہا تو بس داخلہ لے لینا اور کسی طرح سے امتحان پاس کر لینا ہی کافی ہے، پھر ان کے پیسوں پر عیش وعشرت کی زندگی گذارو، اور کسی کے ساتھ عیش کرو۔ والدین کی ذہنی زندگی اور توقعات سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا ہے۔ یہ بھی بے حد خطرناک ہے، ابن صفی صاحب بے حد خطرناک''۔

دونوں عبارتوں سے آپ حالات کی سنگینی کا اندازہ لگا سکتے ہیں، مگر دوسری والی صورت اور بھی خطرناک ہے، کیوں کہ والدین تو معاشی مجبوریوں کے پیش نظر بچوں کے لیے وقت نہیں نکال پاتے ہیں اور اپنی ذمہ داری کما حقہ ادا کرنے سے قاصر رہتے ہیں، مگر دوسری صورت میں بچے انہی کی گاڑھی کمائی کا غلط استعمال کرتے ہیں اور جتنی توجہ اپنی تعلیم پر دینی چاہیے، نہیں دے پاتے ہیں۔ نتیجتاً اپنے کیریئر کے برباد کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے والدین کی توقعات کی کسوٹی پر بھی نہیں اتر پاتے اور اپنے مستقبل کو دشوار کن بنا لیتے ہیں، اس لیے والدین کو بھی چاہیے کہ ہو سکے تو تھوڑا کم ہی کمائیں، مگر اپنے بچوں کی تربیت کے لیے وقت نکالیں۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے ہیں تو پھر چاہے وہ جتنا کما لیں، ان کی نسل انہیں برباد کرنے میں وقت نہیں لگائے گی اور پھر ایسی کمائی کا کوئی فائدہ نظر نہیں آئے گا۔ ایسی صورت میں یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ تھوڑا کم ہی کمائیں، کیوں کہ کسی چیز کا بچا لینا کمانے سے کم نہیں ہے اور بچوں کو بھی چاہیے کہ جب وہ اتنے بڑے ہو گئے ہیں کہ باہر جا کر تعلیم حاصل کر سکتے ہیں اور کسی نئے رشتے کو جنم دے سکتے ہیں تو پھر پرانے رشتوں کو ہی نبھانے کی کوشش کریں یعنی اپنے ماں باپ سے خود ہی جذباتی طور سے جڑنے کی سعی کریں، نہ کہ ان کی گاڑھی کمائی کو یوں ہی لٹا دیں۔

آج کے اس دور میں جہاں علم کی بہتات ہے، معلومات کی کثرت ہے۔ مختلف طرح کی جدید ٹکنالوجی سے دنیا روز بروز لیس ہو رہی ہے اور معلومات کا حاصل کرنا آسان سے آسان تر ہوتا جا رہا ہے۔ ہر انسان کے ہاتھ میں ''جامِ جم'' کی شکل میں موبائل موجود ہے، مگر یہ تمام چیزیں فائدہ مند ہونے کے ساتھ ساتھ نقصاندہ بھی ہیں، کیوں کہ علم بڑھتا جا رہے، ادب ختم ہوتا جا رہے اور ہمیں اس کا احساس تک نہیں ہو پاتا ہے۔ مثلاً آج اگر کوئی بچہ حاضر جواب ہے تو اس کی خوب تعریف ہوتی ہے اور لوگ اسے بہت ذہین سمجھتے ہیں، جس کے نتیجے میں وہ ہر وقت ہر بات پر سوال و اعتراض کرتا رہتا ہے۔ سوال و اعتراض کرے، مگر آداب کو ملحوظ خاطر رکھ کر، مگر وہ ان سب چیزوں کو کیوں برتے، جب اسے یہ سب سکھایا ہی نہیں گیا ہے۔ آداب کا تقاضا تو یہ ہے کہ جب دو بڑے بات کریں تو بچے خاموش رہیں اور اگر مداخلت کرنی ہی ہو تو بلا اجازت نہ کریں، مگر آج منطق اور ذہانت کی آڑ لے کر ہر کوئی اسمارٹ بننے کے چکر میں آداب کا خیال ہی نہیں رکھتا۔ ہم تو ایسے ذہین بچوں اور لوگوں سے یہی گذارش کریں گے کہ اسمارٹ تو ایک چھوٹی شئ ہے۔ اسمارٹ بننے کے بجائے بااخلاق بنیں، باادب بنیں۔

ہمارا ضمیر تو اس قدر مر گیا ہے کہ بچوں کی تربیت تو کیا، ہم انہیں فرائض کے بارے میں نہیں بتا پا رہے ہیں۔ آج ہم اپنے بچوں کو تعلیم کے لیے باہر بھیج رہے ہیں، مگر اسلامی تعلیمات سے ان کا پورا ذہن یکسر خالی ہوتا ہے، نام کے مسلمان ہیں، نہ ان کو چھ کلمے یاد ہیں، نہ غسل کے فرائض معلوم، نہ وضو کا طریقہ معلوم اور اسلام کے ارکان تو انہیں پتہ ہی نہیں۔ ع/ ''تم مسلماں ہو، یہ انداز مسلمانی ہے''

حد تو یہ کہ اکثر بچے جس مقصد کے لیے تعلیم حاصل کرنے جاتے ہیں یا پھر جس مضمون میں تعلیم حاصل کر رہے ہوتے ہیں، اس پر بھی ان کی گرفت نہیں ہوتی ہے اور ہو بھی کیسے؟ جب والدین صرف ان کی جسمانی زندگی کی ضروریات پوری کریں گے تو بچے بھی ان کی توقعات اور خوابوں کی تعبیر بننے کے بجائے صرف اور صرف نوکری کے لیے تعلیم حاصل کریں گے، جو بے حد خطرناک ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے تو اسے زہر سے تعبیر کیا تھا۔

وہ علم نہیں زہر ہے احرار کے حق میں جس علم کا حاصل ہے دو کف جو

اکثر گارجین بھی یہی سوچتے ہیں کہ بس پڑھنے کے بعد جلدی سے کوئی جاب مل جائے اور جاب مل بھی جاتی ہے، مگر پھر وہی ہوتا ہے کہ جس طرح سے ماں باپ کے پیار کے بغیر بچہ بورڈنگ اسکول میں بچپن گذارنے کے لیے مجبور کیا جاتا ہے تو اسی طرح والدین بھی بڑھاپے میں اولڈ ایج ہوم میں بڑھاپا گزارنے کے لیے مجبور کیے جاتے ہیں، کیوں کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے جذباتی طور سے جڑ ہی نہیں

پاتے کہ ایک دوسرے کو سمجھیں، اگر والدین چاہتے ہیں کہ ان کی ضعیفی اچھے سے گزرے تو انہیں آج ہی ہوش کے ناخن لینے ہوں گے اور ان کو اپنے بچوں کی تربیت کرنی ہوگی، اچھے اخلاق و کردار کو ان کے اندر سمونا ہوگا، انہیں بود وباش کے طریق، گفت وشنید کے آداب سکھانے ہی ہوں گے۔

امت مسلمہ کا المیہ تو یہ ہے کہ اگر پیسہ ہے تو اچھی تعلیم کے لیے بچوں کو باہر بھیجتے ہیں، مگر ان کی تربیت اور دینی تعلیم کے لیے بالکل بھی فکر مند نہیں ہوتے، اس کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ جب گھر کے کسی فرد کا انتقال ہو جاتا ہے تو دینداری دکھانے کے لیے تب تک لاش کو دفن نہیں کیا جاتا، جب تک کہ باہر پڑھنے یا رہنے والا بچہ آ نہ جائے اور ایسا کرنے میں کبھی کبھی بہت خطیر رقم صرف کرنی پڑتی ہے۔ آنے کے بعد بچہ کو بھی شرمندگی اور ندامت کا سامنا اس وقت کرنا پڑتا ہے، جب وہ نماز جنازہ کے لیے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا ہے اور وہ یہ سوچتا ہے کہ کیا پڑھوں؟ کاش کوئی مجھے بھی نماز جنازہ کی دعا یاد کرا دیا ہوتا تو آج میں بھی میت کی مغفرت کی دعا کرتا۔ کاش جتنا پیسہ لگا کر یہاں آیا، وہی رقم صدقہ وخیرات کر دی جاتی تو اس سے زیادہ فائدہ پہنچ جاتا۔ یہاں آکر دعائے مغفرت ہی جب نہیں کر سکتا تو پھر کیا فائدہ؟

والدین کو آج سے ہی اس چیز کو سمجھنا ہوگا کہ کل ان کی اولاد انہیں کی نماز جنازہ میں دعائے مغفرت کے بجائے دعا یاد نہ ہونے کا الزام انہیں پر نہ لگائے اور ان کی اولاد ان کے لیے رحمت ومغفرت کا سبب بننے کے بجائے زحمت وعذاب میں اضافہ کا سبب نہ بن جائے۔

آج کا مسلمان نہ تو اپنے تہذیبی ورثے کا پاسدار ہے اور نہ ہی اسلامی روایات کا علمبردار، بلکہ یہ سب چیزیں اس کی نظر میں ہیچ ہیں، جب کہ ہمیں پتہ ہے کہ اسلام مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ وہ کبھی اس زاویہ سے سوچتا ہی نہیں کہ اگر ہم اپنے تہذیبی اور اسلامی ورثے کو اپنے بچوں میں منتقل کر دیں اور پھر اسے عصری تعلیم دلائیں یا پھر دونوں ایک ساتھ کریں تو ان کا بچہ دوسروں سے زیادہ علم والا ہوگا، کیوں کہ اس کے تمام ہم جماعت وہی پڑھ رہے ہوتے ہیں جو وہاں پڑھایا جاتا ہے، مگر جس بچے میں یہ چیزیں جذب کر دی جاتی ہیں اور وہ اسے اپنے کردار میں سمو لیتا ہے تو وہ اسی وقت دوسروں سے ممتاز ہو جاتا ہے۔

آج کے اس دور میں نافرمانی، نفرت، عداوت، بغض وکینہ اور حسد اس قدر عام ہے کہ اگر کوئی شخص تھوڑی سی ہی محبت اور بھائی چارگی اختیار کرے اور اخلاق کا مظاہرہ کرے تو سب کا نور نظر بن جائے، کیوں کہ سب کی نظر میں اس کا انداز منفرد، جدا اور پسندیدہ ہوگا اور ایسا کر کے وہ دونوں جہاں میں کامیاب وکامران ہو سکتا ہے، مگر ہمیں وقت ہی نہیں ہے ان سب چیزوں پر غور وفکر کرنے کے لیے اور وقت کی بات کیا، حق تو یہ ہے کہ ہمارا ضمیر مر گیا ہے اور ہمارے قلوب واذہان ان جیسے احساسات سے عاری ہو چکے ہیں۔ ہم مادیت میں اس قدر غرق ہو گئے ہیں کہ مت پوچھیے۔ ہم صرف گفتار کے غازی ہیں، جب کہ ہم تب تک کامیاب وکامران نہیں ہو سکتے، جب تک کہ کردار کے غازی نہ بن جائیں۔

کسی نے کہا تھا کہ کسی کی زبان بولتی ہے، کسی کا دماغ بولتا ہے، کسی کا کردار بولتا ہے۔ آج ہم صرف زبان والی بات پر عمل پیرا ہیں اور وہ بھی ''بات کرنے کا سلیقہ نہیں نادانوں کو''۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے دماغ کا استعمال کر کے کچھ ایسا کمال کر جائیں کہ جس سے تا قیامت خلق خدا فائدہ اٹھاتی رہے۔ اپنے کردار کو معراج کمال تک پہنچا دیں، جس کی دنیا قیامت تک مثال دیتی رہے، مگر اس کے لیے ضروری ہے بچوں کی تربیت۔ پہلے بڑے بوڑھے اخلاقی کہانیاں سناتے تھے، درود اور دعائیں یاد کراتے تھے، کلمہ یاد کرایا جاتا تھا، مگر افسوس ایک عرصے سے اس ورثے کی منتقلی نہیں ہوئی، جس کے نتیجے میں اب والدین کو ہی یہ سب یاد نہیں تو بچوں کو کہاں سے یاد کرائیں گے؟

اب قوم مسلم ان سب چیزوں کے بارے میں سوچتی بھی نہیں، حالاں کہ ہم کو سوچنا چاہیے کہ جب عصری تعلیم دنیا بنانے کے لیے دلا سکتے ہیں تو دینی تعلیم دنیا اور آخرت بنانے کے لیے کیوں نہیں دلا سکتے؟ اگر ان کے پاس وقت نہیں تو الگ سے اس کا کچھ انتظام کریں، جیسا کہ آج کل شہروں میں رمضان کیمپ یا دینی سمر اور ونٹر کیمپ علما کی جانب سے یا کسی تنظیم و تحریک کی جانب سے لگایا جاتا ہے، جہاں بچوں کو دینی تعلیم، اسلامی آداب وغیرہ سکھائے جاتے ہیں۔ جہاں ایسے کیمپ لگتے ہیں، وہاں اپنے بچوں کو بھیج کر ان کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے اور جہاں ابھی اس قسم کا رواج نہیں ہے، وہاں بھی اس طرح کا کچھ انتظام کرنا چاہیے۔ ویسے بھی رمضان میں مدارس کی چھٹی رہتی ہے اور بہت سے علمائے کرام رمضان میں گھر پر ہی رہتے ہیں، وہ اس ضمن میں پہل کریں تو ان سماجی برائیوں کو دور کرنے میں ایک بہت ہی کارگر عمل ہوگا اور بہت بڑی خدمت خلق بھی ہوگی۔

نماز، حج، روزہ، زکوٰۃ اپنی جگہ خدمت خلق کسی ثواب سے کم نہیں

اگر آج بچے آداب سے عاری ہیں تو اس میں ان بچوں کی غلطی سے زیادہ گارجین کے تسامحات ہیں۔ اگر گارجین نے ان کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت کا انتظام بھی کیا ہوتا تو آج یہ دن دیکھنا نہیں پڑتا۔ کہتے ہیں کہ اعلیٰ تعلیم دلا کر اچھا ڈاکٹر، اچھا انجینئر تو بنا سکتے ہیں، مگر اچھا انسان نہیں، کیوں کہ اچھا انسان بننے کے لیے اچھے اخلاق، اچھے کردار، اچھی تربیت کا ہونا ضروری ہے اور اچھے اخلاق و کردار کا تصور اچھی تربیت کے بغیر ممکن نہیں، اس لیے ہمیں ایک بار اس امر پر بھی سنجیدگی سے غور کرنا ہوگا کہ کس طرح سے اپنے بچوں کی اچھی تعلیم کے ساتھ ساتھ اچھی تربیت کا بھی بندوبست کیا جائے۔ گارجین یہ بات بھی ذہن نشین کرلیں کہ اپنے بچوں کو اسمارٹ بننے کے لیے نہ کہیں، بااخلاق اور باادب بننے کے لیے کہیں، مگر افسوس آج جو رویہ اولیائے طلبا اور گارجین کا ہے، اس سے تو یہی لگتا ہے کہ ابن صفی کا محولہ بالا اقتباس حرف بہ حرف ان پر صادق آرہا ہے، کیوں کہ ان کو تربیت کی فکر ہی نہیں اور ان سب باتوں کا احساس ہی نہیں۔ اگر کسی کو تھوڑا بہت احساس بھی ہے تو خاموش تماشائی ہے۔ احساس کی خاموشی سے ضمیر مردہ ہوجاتا ہے اور جب ضمیر مردہ ہوجاتا ہے تو ہم صحیح و غلط کی تمیز ہی نہیں کر پاتے ہیں، پھر ہمیں ان سب چیزوں کی خبر ہی نہیں ہوتی اور دھیرے دھیرے پورا معاشرہ برائیوں کے دلدل میں پھنس کر تباہ ہوجاتا ہے۔

ضمیر مرتا ہے احساس کی خموشی سے یہ وہ وفات ہے جس کی خبر نہیں ہوتی

ہمارا علمی وفکری زوال

مولانا منیف عالم رضوی، مرغیا چک سیتامڑھی (بہار)

عصر حاضر میں علمی، فکری اور اخلاقی زوال سے ہم یقیناً دوچار ہوئے ہیں۔ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس استفتا آتا تو آیات قرآنیہ، احادیث طیبہ اور اقوال فقہا کی روشنی میں جواب تحریر فرماتے، جیسا کہ ان کے فتاویٰ سے ظاہر ہے۔ آج طرز افتا کو دیکھ لیں، حوالوں کا ایک صدی سے آگے بڑھنا مشکل نظر آتا ہے۔ فتویٰ نویسی کرنی ہو تو فتاویٰ رضویہ آخری حوالہ ہوتا ہے، جبکہ فتاویٰ رضویہ اول حوالہ اور امام محمد بن حسن شیبانی کی کتابیں انتہائی حوالہ ہونی چاہیے۔ بطور سند قرآنی آیات و احادیث کریمہ بھی سپرد قلم کی جائیں۔ عہد حاضر میں شاید ہی کوئی قرآن مقدس کو بغرض مطالعہ ہاتھ لگاتا ہو، بلکہ کتب احادیث کی ورق گردانی بھی بوقت ضرورت ہی ہوتی ہے۔

علمائے ماسبق کی متعدد عربی و فارسی تصانیف کے اردو تراجم عوام الناس کے لیے شائع ہوئے ہیں۔ آج علمائے کرام ان تراجم کا مطالعہ کرتے ہیں۔ یہی علمی زوال اور فکری انحطاط ہے۔ بلندی فکر مفقود، ذوق مطالعہ فنا، مدارس کی کثرت، علم کی قلت، اسلاف کرام کی مدح و

ستائش میں ہم رطب اللسان رہتے ہیں۔ان کی یاد میں جلسے،جلوس کرتے ہیں اوران کے نقوش پا سے گریزاں ہیں، پھر تذکرۂ اسلاف سے کیا فائدہ؟ جب میں زیر تعلیم تھا،اس وقت جامعہ اشرفیہ مبار کپور(یوپی) میں طلبا کو درسی کتابوں کی اردو شروحات سے استفادہ کی اجازت نہ تھی، پھر رفتہ رفتہ اردو شرحیں طلبہ کے لیے علمی زینہ بن گئیں،جنہیں طے کیے بغیران کا علم کامل نہیں ہوسکتا، یاان کے قلوب مطمئن نہیں ہوسکتے۔

اہل سنت وجماعت کے کتب خانے غیر معیاری کتابوں سے آراستہ،مقررین وخطبا کی تقریریں حوالوں سے عاری یا غیر معتبر وغیر مستند حوالوں کی طرف منسوب ہوتی ہیں۔مثالوں پر مبنی تقریریں دین وسنیت کو کیا جلا دے سکتی ہیں؟ دین کی باتیں کون سنتا ہے۔مذہبی جلسوں میں بس شاعر کا ترنم چاہئے۔یہ جلسہ ہے یا ذہنی تعیش کا ذریعہ؟ بے لگام عوام کوراہ راست پرلانا رہبران دین کا فریضہ ہے۔عوام کی دل شکنی کا خیال کب تک کیا جائے گا؟ جورزق رب تعالیٰ نے ہمارے لیےمقدر کررکھا ہے،وہ ضرورہمیں ملے گا۔کیا کوئی نوشتۂ الٰہی کو بدل سکتا ہے؟

موجودہ زمانے میں قوم کی بہت سی رقم ایسی کتابوں کی طباعت پرخرچ ہوجاتی ہے،جن کتابوں سے مذہب ومسلک کومعتد بہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔جن کتابوں کی اہم ضرورت ہے، وہ معرض التوا میں پڑی رہتی ہیں۔حضرت مولانا حسین حلمی بن سعید استانبولی علیہ الرحمۃ و الرضوان استنبول (ترکی) سے اہل سنت وجماعت کی معتبر کتابیں شائع کر کے ساری دنیا میں بلامعاوضہ بھیجا کرتے تھے۔آج بھی ان کے مکتبہ سے کتابیں آتی ہیں۔اگرسنیان ہند میں سے کوئی صاحب استطاعت اہل سنت وجماعت کی اہم کتابوں کی طباعت واشاعت فرما کر اہل علم تک پہونچانے کی کوشش کرے تو وقت کی ایک اہم ضرورت اور ایک قومی فریضہ سے ہم سبکدوش ہوجائیں۔

عہد حاضر میں مسلمانوں کو دینی احکام پرعمل کی ترغیب کے ساتھ ان کی دیگر ضرورتوں کی جانب بھی توجہ کی جائے۔قوم کو ہرقدم پر ہماری اجتماعی قوت کی ضرورت ہے۔جو کام انفرادی طور پرقریباً ناممکن ہوتا ہے،وہی کام اجتماعی طور پر بہت سہل ہوجاتا ہے۔آج کل ہندوستانی مدارس اسلامیہ میں جس طرح مختلف تعلیمی شعبہ جات مثلاً شعبہ عالمیت وفضیلت،شعبہ جات تخصص،شعبہ حفظ،شعبہ تجوید وغیرہا قائم ہیں،اسی طرح ایک شعبہ اپنے علاقائی مسلمانوں کی قومی وملی ضروریات کی تکمیل وتفتیش کے لیے بھی قائم کیا جائے۔

عہد حاضر میں سنی مسلمانوں کی بہت سی رقم جلسوں اور کانفرنسوں میں خرچ ہوجاتی ہے۔اگراتنی رقم تعلیمی،تعمیری،فلاحی وتبلیغی کاموں میں خرچ کی جائے تو ایک مستحکم اور دیرپا کام ہوسکتا ہے۔جلسوں،کانفرنسوں اورسیمیناروں کے انعقاد کے ساتھ دین وشریعت کی بنیادی تعلیم کا بھی مستحکم انتظام کیا جائے۔قومی رقم خرچ کرنے سے قبل ضرورت اور اہم ضرورت کا موازنہ {Comparison} کرلیا جائے۔ ضرورت کے مواقع پرجلسوں کا بھی اہتمام ہونا چاہئے،لیکن ایک ہی شہر میں باربارجلسوں کے انعقاد کے سبب عام پبلک بھی جلسوں میں جانے سے کترانے لگتی ہے۔مقررین وخطبا کو بھی تبلیغ دین ومذہب کی مکمل تیاریوں کے ساتھ زینت محفل ہونا چاہئے۔

جلسوں اور کانفرنسوں میں جو کچھ آپ سننا چاہتے ہیں، جمعہ میں ائمہ مساجد سے وہی تقریریں کرنے کی گذارش کریں۔اسی طرح آس پاس کے علمائے کرام کو جمعہ میں دعوت دے کر مطلوبہ موضوعات پرتقریریں سماعت کرلیں۔نہ اسٹیج کی ضرورت ہوگی،نہ ہی پوسٹر کی۔نہ لوگوں کو دعوت دینی ہوگی،نہ ہی قوم کے کاندھوں پر بڑا بوجھ آئے گا،لیکن تبلیغ دین ومذہب کا کام سلسلہ وار جاری رہے گا۔

ریاست کیرلا کے مسلمان دیگر ریاستوں کے مسلمانوں کے اعتبار سے زیادہ تعلیم یافتہ اور دولت وثروت میں بھی بہت آگے ہیں۔ مرکز الثقافۃ السنیہ (کالی کٹ، کیرلا) اور جامعہ سعدیہ عربیہ (کاسرگوڈ، کیرلا) یہ دونوں کیرلا میں اہل سنت وجماعت کے مشہور مدارس ہیں۔ ان دونوں مدارس میں سالانہ جلسہ نہیں ہوتا، بلکہ دوسال پرایک بارجلسہ ہوتا ہے۔جس سال مرکز الثقافۃ السنیہ میں جلسہ ہوتا ہے،اس سال جامعہ سعدیہ میں نہیں ہوتا اور جس سال جامعہ سعدیہ میں ہوتا ہے،اس سال مرکز الثقافۃ السنیہ میں نہیں ہوتا،حالانکہ دونوں کے مابین دوتین

ضلعوں کا فاصلہ ہے، اور دونوں کی انتظامیہ کمیٹی بھی الگ ہے۔ شمالی ہند میں ایک ہی سال میں ایک ہی مدرسے میں دو جلسے بھی ہو جاتے ہیں، لیکن تعمیری حالت قابل تعریف نہیں ہوتی۔ بعض مدارس میں جتنے روم نہیں ہوتے، سال بھر میں اس سے زیادہ جلسے وہ کراتے ہیں، حالانکہ ایک جلسہ پر جو خرچ آتا ہے، اس سے کم خرچ میں ایک روم تعمیر ہو سکتا ہے، بشرطیکہ قلوب واذہان بھی تعمیری ہوں۔

جلسوں اور کانفرنسوں کی کثرت نے نو فارغین کو فکری اضمحلال میں مبتلا کر دیا ہے۔ بہت سے فارغین مدارس دیگر وسائل معاش کی جانب متوجہ ہونے کی بجائے اوراق خطابت کو الٹ پلٹ کرنے میں مصروف اور تقریر و خطابت کی دعوتوں کے منتظر رہا کرتے ہیں۔ کیا یہی دعوت دین ہے کہ داعی، مدعو بن جائے اور مدعو، داعی کا رتبہ حاصل کر لے؟ یقیناً یہ قلب موضوع ہے۔ ایسی صورت میں دعوت وتبلیغ موافق شریعت ہونے کی بجائے داعی کی فرمائش وطبعیت کے موافق ہوگی۔ خطبائے اسلام یہ نہ خیال کریں کہ میں ان کے اقتصادی کیفیت کو زوال پذیر کرنا چاہتا ہوں، بلکہ شخصی مفادات پر قومی مفادات کو ترجیح دینے کی ترغیب دے رہا ہوں اور چاہتا ہوں کہ نو فارغین دعوت وتبلیغ کو اپنا عالمانہ فریضہ اعتقاد کریں، اور وسائل معاش کے طور پر ایسے ذرائع کی جانب پیش قدمی کریں، جو ان کے شایان شان ہوں، اور جس کی انجام دہی ان کے لیے آسان ہو۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ الکریم وآلہ العظیم

جگا جگا کے تمہیں تھک چکے ہیں ہنگامے

طارق انور مصباحی (کیرلا)

ماہ مئی ۲۰۱۴ء میں بی جے پی مرکز میں برسر اقتدار ہوئی، پھر ۲۰۱۷ء میں یو پی میں بھی بی جے پی کو کامیابی مل گئی، اس سے اسلام مخالفین کو بڑی قوت فراہم ہوگئی۔ مسلمانوں کی جان ومال اور عزت وآبرو سب کچھ خطرے میں آ چکی ہے۔ گئو رکھشا کے نام پر دادری (یوپی) میں اخلاق کا قتل، الور (راجستھان) میں پہلو خاں کا قتل، رام گڑھ (جھارکھنڈ) میں علیم الدین کا قتل، دہلی ٹرین میں جنید کا قتل، یوپی میں ٹرین میں ایک مسلم عورت کے ساتھ ایک پولیس کے ذریعہ زنا بالجبر، جے این یو (دہلی) سے نجیب کی گمشدگی، اسی طرح سہارنپور (یوپی) میں دلتوں پر حملے، اور اسی طرح کچھ ایسے بھی واقعات ہوئے، جن کی خبر مشہور نہ ہو چکی۔ اسی ماحول میں طلاق ثلاثہ، تعدد ازدواج اور حلالہ سے متعلق ماحول کو گرم کر کے اسلامی تشخص کو پامال کرنے کی کوشش ہوئی، تا کہ کسی طرح یونیفارم سول کوڈ کے نام پر ہندوتوا {Hindutva} کو نافذ کیا جا سکے۔ ماہ مئی ۲۰۱۷ء میں طلاق ثلاثہ کے کیس پر سپریم کورٹ میں سماعت ہوئی۔ سپریم کورٹ کی بحث میں اٹارنی جنرل (Attorney General) مکل روہتگی {Mukul Rohatgi} نے حکومت ہند کی جانب سے طلاق ثلاثہ کو منسوخ کرنے کی پرزور وکالت کی تھی۔ اب حالات حاضرہ کے تناظر میں سپریم کورٹ کا فیصلہ یقیناً قابل دید ہوگا۔

طلاق ثلاثہ کے موضوع پر سپریم کورٹ میں چھ دنوں تک ۱۱، ۱۲، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸ مئی ۲۰۱۷ء کو فریقین کے دلائل کی سماعت ہوتی رہی۔ دونوں فریق کو تین تین دن کا وقت دیا گیا۔ چیف جسٹس آف انڈیا سمیت کل پانچ ججوں نے اس کیس کی سماعت کی۔ چونکہ یہ ایک مذہبی مسئلہ تھا، اس لیے سپریم کورٹ نے اس کی سماعت کے لیے پانچ الگ الگ مذاہب کے پانچ ججوں کا انتخاب کیا تھا۔ سپریم کورٹ کا یہ ایک دانشمندانہ اقدام تھا۔ عدالت عظمیٰ کا یہ طریق کار اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ یہ موضوع مذہبی اور انتہائی حساس نوعیت کا ہے۔ ججوں کے نام اور مذاہب درج ذیل ہیں۔

(۱) چیف جسٹس آف انڈیا جسٹس جے ایس کھیہر {JS Khehar} (سکھ مذہب)

(۲) جسٹس کورین جوزف {Kurian Joseph} (عیسائی مذہب)
(۳) جسٹس روہنٹن فلی نریمن {Rohinton Fali Nariman} (پارسی مذہب)
(۴) جسٹس عبدالنذ یر {Abdul Nazeer} (مسلم مذہب)
(۵) جسٹس یو یوللت {UU Lalit} (ہندو مذہب)

سپریم کورٹ کے سابقہ اعلان کے مطابق اسی بحث کے دوران طلاق ثلاثہ کے ساتھ تعدد ازدواج اور نکاح حلالہ پر بھی بحث ہونی تھی، اور یہ بحث ۱۱/مئی تا ۱۹/مئی ۲۰۱۷ء یعنی کل نو دنوں تک طے پائی تھی، لیکن ۱۱/مئی کو کیس کی سماعت شروع کرتے وقت سپریم کورٹ نے طلاق ثلاثہ کو اہم قرار دیتے ہوئے صرف اسی پر بحث کی اجازت دی، اور تعدد ازدواج و نکاح حلالہ کی سماعت کو ملتوی کر دیا۔ طلاق ثلاثہ کی سماعت کرنے والے ججوں کے پانچ رکنی بنچ کو دستوری بنچ (Constitution Bench) نام دیا گیا۔

سپریم کورٹ میں طلاق ثلاثہ پر بحث کے دوران یہ سوال اٹھایا گیا کہ جب ایک ساتھ تین طلاق دینا ناجائز ہے تو اسے کالعدم کیوں نہیں قرار دیا جاتا؟ یعنی اگر کوئی آدمی یکبارگی تین طلاق دیدے تو طلاق ہی نہ ہو سکے، بلکہ بیوی حسب سابق بیوی ہی رہے۔ یہ ایک عجیب و غریب اور مضحکہ خیز سوال ہے، کیونکہ کسی چیز کا ناجائز ہونا اور کسی چیز کا کالعدم ہونا دو الگ الگ صورتیں ہیں۔ بہت سے امور ناجائز ہیں اور موجود بھی ہیں اور اپنا اثر بھی ظاہر کرتے ہیں مثلاً شراب نشہ لاتی ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ شراب حرام ہے، اس لیے اس کا کچھ اثر نہ ہوگا۔

طلاق ثلاثہ کی تفہیم عقلی طور پر آسان لفظوں میں اس طرح کی جا سکتی ہے کہ تلوار سے کسی کی گردن کاٹ دینے پر اس آدمی کی یقینی موت ہو جائے گی۔ اب اس آدمی کی گردن جائز طریقے پر کاٹی جائے یا ناجائز طریقے پر۔ مثلاً وہ آدمی مرتد ہو گیا یا کسی کا قتل عمد کیا ہے، اور حاکم و قاضی کی اجازت سے کوئی اس آدمی کی گردن تلوار سے کاٹے تو یہ جائز قتل ہوا۔ اور اگر ظلماً کسی شخص کی گردن تلوار سے کاٹ دی جائے تو یہ ناجائز قتل ہوا، لیکن جائز و ناجائز قتل یعنی قتل کی دونوں صورتوں میں اس انسان کی موت ضرور ہو جائے گی۔ ایسا نہیں کہا جا سکتا کہ ظلماً قتل کرنے پر موت نہیں ہوگی، کیونکہ ظلماً قتل کرنا ناجائز ہے۔ کیونکہ کسی چیز کا ناجائز ہونا الگ بات ہے، اور اس کا بے اثر ہونا الگ بات ہے۔

اگر کوئی روٹی خرید کر کھایا تو بھی بھوک مٹ جائے گی، اسی طرح چوری کر کے روٹی کھائی تو بھی بھوک مٹ جائے گی۔ گرچہ پہلی صورت جائز اور دوسری ناجائز ہے۔ چوری کی روٹی بھی بھوک مٹا دے گی، جس طرح خریدی ہوئی روٹی بھوک مٹا دیتی ہے۔

مذکورہ بالا تشریحات سے معلوم ہوا کہ کسی انسان کی گردن کاٹ ڈالنے سے اس آدمی کی موت ہو جائے گی، خواہ اس کی گردن کاٹنا جائز ہو یا ناجائز۔ اسی طرح روٹی کھانے سے بھوک مٹ جائے گی، خواہ اس روٹی کو جائز طور پر حاصل کیا ہو یا ناجائز طور پر۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ظلماً کسی کی گردن کاٹنا ناجائز ہے، اس لیے ظلماً قتل سے موت نہیں ہوگی، یا چوری کی روٹی سے بھوک نہیں مٹے گی۔ بس اسی طرح ناجائز طلاق سے بھی نکاح ٹوٹ جائے گا، کیونکہ طلاق، نکاح ٹوٹنے کا ایک ذریعہ ہے، خواہ طلاق کی جائز صورت اپنائی جائے یا ناجائز صورت۔

مذکورہ بالا مثالوں کی روشنی میں طلاق ثلاثہ کی تفہیم یہ ہوگی کہ طلاق ثلاثہ سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے، اب خواہ جائز طریقہ پر تین طلاق دی جائے یا ناجائز طریقہ پر دی جائے۔ طلاق ثلاثہ کی جائز صورت یہ ہے کہ ہر طہر میں ایک طلاق دی جائے، ناجائز طریقہ یہ ہے کہ ایک ساتھ تین طلاق دی جائے۔ لیکن بہر حال تین طلاق سے نکاح ایسا ٹوٹ جائے گا کہ اسی عورت سے دوبارہ نکاح کے لیے حلالہ کی ضرورت درپیش ہوگی، خواہ یکبارگی تین طلاق دیا ہو، یا تین طہر میں تین طلاق دیا ہو۔ اس طلاق کو طلاق مغلظہ کہا جاتا ہے۔

ایک طلاق سے بھی نکاح ٹوٹ جاتا ہے، اس کو طلاق رجعی کہا جاتا ہے۔ طلاق رجعی کی صورت میں اگر عورت کو رکھنا چاہے تو عدت

کے اندر رجوع کا حق ہوتا ہے۔ اور اگر عدت مکمل ہوگئی ہے تو اس عوت کو اپنے پاس رکھنے کے لیے دوبارہ نکاح کرنا ہوگا۔ طلاق رجعی ایک بھی ہوتی ہے، اور دو بھی۔ دونوں کا حکم یکساں ہے، یعنی عدت کے اندر رجوع یا عدت کے بعد نکاح کے ذریعہ اس عورت کو رکھ سکتا ہے۔ کنایہ کے الفاظ سے بھی نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ کنایہ کے الفاظ سے ہونے والی طلاق کو طلاق بائن کہا جاتا ہے۔ طلاق بائن واقع ہوجانے کے بعد اگر اس عورت کو رکھنا چاہے تو اس عورت سے مہر جدید کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنا لازم ہے۔ خواہ عورت ابھی عدت میں ہو یا عدت گذر چکی ہو۔ احکام کی تفصیل بہار شریعت (جلد ہشتم) ودیگر کتب فقہ میں مرقوم ہیں۔

سلمان خورشید سابق مرکزی وزیر ومشہور ایڈوکیٹ اس کیس میں سپریم کورٹ کے عدالتی معاون {Amicus Curiae} تھے۔ اس مباحثہ میں سابق مرکزی وزیر عارف محمد خاں بھی ایک مخالف فریق تھا۔ سپریم کورٹ کے پانچ رکنی بنچ نے سوال کیا کہ جب طلاق ثلاثہ گناہ کا کام ہے تو پھر یہ فعل قانونی کیسے ہوسکتا ہے؟ بنچ کا سوال درج ذیل ہے۔

"If God cosiders it a sin, it can,t be legal. Is it like death penalty, which for some is sinful but legal? Can a lawful man be sinful? What is sin in the eyes of God. Can it be valid in law?

سپریم کورٹ کے ان سوالوں کا مختصر جواب یہ ہے کہ مذہب اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ تمام امور سے متعلق اس کے احکام موجود ہیں اور تمام امور قانون اسلام کے دائرہ میں ہیں۔ کائنات میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اسلام کے دائرۂ قانون سے باہر ہو۔ بعض امور جائز ہوکر، بعض واجب وفرض ہوکر، بعض سنت ومستحب ہوکر، بعض خلاف اولیٰ ومکروہ ہوکر، بعض ناجائز وحرام ہوکر اسلام کے قانونی دائرہ میں داخل ہیں۔ جب سماج میں کسی امر کو لیگل {Legal} اور قانونی کہا جاتا ہے تو مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اس چیز کی اجازت ہے۔ اور جب کسی امر کو غیر قانونی کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس امر کی اجازت نہیں۔ اسلامی اصطلاح کے اعتبار سے یکبارگی تین طلاق کو فعل گناہ اور قانونی کہے جانے کا مفہوم یہ ہوا کہ گرچہ یکبارگی تین طلاق گناہ کا کام ہے، لیکن اس سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے، اس سے متعلق اسلامی شریعت میں قانون موجود ہے۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ چونکہ یہ ایک ناجائز امر ہے تو یہ غیر قانونی ہوا، لہٰذا اس سے نکاح نہیں ٹوٹے گا تو ایسے شخص سے دریافت کیا جائے کہ ملکی قانون کے اعتبار سے کسی بے قصور شخص کو قتل کرنا غیر قانونی ہے۔ اب اگر کسی نے کسی کا قتل کر دیا تو قتل کے غیر قانونی ہونے کے سبب کیا مقتول کی موت نہیں ہوگی؟ ضرور مقتول کی موت ہوگی، اور قاتل ملکی قانون کے اعتبار سے سزا پائے گا۔ قاتل کے لیے سزا مقرر ہونے کا مفہوم ہی یہ ہوا کہ کسی کو بلا جرم قتل کرنا جرم ہے اور قتل سے مقتول کی موت ہوجاتی ہے، اسی لیے قاتل کے لیے سزا مقرر ہوئی ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ بلاقصور کسی کو قتل کرنے پر ہم مقتول کی موت تسلیم نہیں کریں گے تو اس کا علاج آج تک دریافت نہ ہوسکا۔ کسی امر کا جائز ہونا الگ صفت ہے، اور اس کا مؤثر ہونا الگ صفت ہے۔ عدم جواز، عدم تاثیر کی دلیل نہیں ہے۔

سپریم کورٹ کی بحث میں یہ بات بھی کہی گئی تھی کہ طلاق ثلاثہ کا ذکر قرآن میں نہیں ہے، حالانکہ طلاق ثلاثہ کا ذکر اور احکام کا بیان قرآن ہی میں ہے۔ ہاں، یہ تفصیل کہ طلاق ثلاثہ یکبارگی دی جائے، یا ایک ایک طہر میں ایک ایک طلاق دی جائے، اس کا بیان احادیث طیبہ میں ہے، اور احادیث مصطفویہ قرآن مجید کے لیے شرح وتفسیر کا درجہ رکھتی ہیں۔ پس جو حدیث میں تفصیل ہے، وہ بھی حکم شرع اور قرآن سے ماخوذ سمجھا جائے گا۔ اسی لیے قرآن مجید میں ارشاد الٰہی وارد ہوا کہ قرآن میں ہر چیز کا بیان ہے، یعنی بعض امور کا تفصیلی بیان ہے اور بعض

کا اجمالی بیان ہے، جس کی تفصیل احادیث کریمہ سے ہوئی۔ طلاق ثلاثہ سے متعلق سپریم کورٹ نے اپنا فیصلہ (Verdict) محفوظ کرلیا تھا۔ اب اس کا فیصلہ ماہ جولائی ۲۰۱۷ء میں آنے کی امید ہے۔

گرچہ امید یہی ہے کہ سپریم کورٹ کا فیصلہ مذہب اسلام کے خلاف نہ ہوسکے گا۔ کیس کی سماعت کے دوران بھی سپریم کورٹ کا رجحان واضح ہو چکا تھا کہ وہ اس مسئلہ پر آخری اور مستحکم فیصلہ کے حق میں ہے، اور یہ بات مسلم ہے کہ خداوندی قانون سے زیادہ مستحکم اور مطابق فطرت کوئی قانون ہو ہی نہیں سکتا۔ ہندوستان میں عدلیہ نے بہت سے موقعوں پر اعلیٰ انصاف کی مثالیں قائم کی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ طلاق ثلاثہ سے متعلق بھی سپریم کورٹ کا فیصلہ مذہب اسلام کے مطابق ہی ہوگا۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآ ب

ہند میں قوم مسلم کا مستقبل

مارچ ۲۰۱۷ء میں اتر پردیش میں یوگی حکومت کے قیام کے بعد جب ہندوؤں کی اونچی ذاتوں کی جانب سے سہارنپور میں دلتوں پر حملے ہوئے تو دلتوں نے ایک تنظیم بنام ''بھیم آرمی'' کی داغ بیل ڈالی، اور اہل وطن کو اپنے مستحکم وجود کا احساس دلایا، دوسری جانب قوم مسلم پر حملے پر حملے ہوتے جارہے ہیں، لیکن مسلمان ذرا سا شور و ہنگامہ کر کے خاموش ہو جاتے ہیں۔ اب تک کوئی قوی اقدام نہ کرسکے۔

اسی طرح ہندوستان میں قوم مسلم کے پس ماندہ حالات کے پیش نظر ایک مضبوط قدم بڑھانے کی ضرورت ہمیشہ محسوس ہوتی رہی۔ حکومتیں اس بارے میں چرچا کرتی ہیں اور پھر خاموش ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح مسلم لیڈروں کی خموشی بھی انتہائی حوصلہ شکن رہی ہے۔ رنگناتھ مشرا کمیشن اور سچر کمیٹی کی سفارشات (Recommendations) پر آج تک عمل نہ ہوسکا۔ اس لیے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے ابتدائی مرحلہ میں درج ذیل امور کو انجام دینے کی کوشش کی جائے، تاکہ مستقبل میں اس کا عمدہ نتیجہ ظاہر ہوسکے۔ واللہ الہادی وہو المستعان

(1) گورنمنٹ سروس میں مسلمانوں کا سیلیکشن (Selection) بہت مشکل سے ہوتا ہے۔ اس لیے حکومتی ملازمت کے لیے ان کی صالح رہنمائی کی جائے۔ اسی طرح قوم مسلم کو پیشہ ورانہ علوم (Professional Educations) کی طرف متوجہ کیا جائے، تاکہ وہ گورنمنٹ سروس کے محتاج نہ رہیں، بلکہ پرائیویٹ کمپنیوں میں بھی اچھی ملازمت پاسکیں۔

(2) اسمبلی اور پارلیامنٹ میں مسلمانوں کی نمائندگی بہت ہی کم ہے، جس کی وجہ سے ملک بھر میں قوم مسلم سیاسی طور پر بہت کمزور ہے۔ تعلیم یافتہ مسلمانوں کو اس بات کی ترغیب دی جائے کہ وہ سیاست میں حصہ لے کر اسمبلی اور پارلیامنٹ تک پہنچنے کی کوشش کریں۔

(3) ان خدمات کو انجام دینے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ہندوستان کی ہر ریاست میں جو اردو اخبار (Urdu News Paper) زیادہ مشہور ہو، ہر ماہ ایک دن کے لیے اس کا ایک صفحہ ریزرو (Reserved) کرلیا جائے، اس میں مسلمانوں کو سیاسی ترغیب اور پیشہ ورانہ علوم کی تفصیل پیش کی جائے۔ اسی طرح اردو کے مشہور ماہناموں میں بھی ہر ماہ 2/3 صفحات ریزرو کر کے اپنا پیغام پورے ہندوستانی مسلمانوں تک پہنچانے کی کوشش کی جائے۔

(4) اس کام کے لیے ایک مستقل آفس ہو، جس میں چند متحرک قلمکار (Writers) ہوں، جو خود بھی مضامین لکھیں اور ماہرین سے ان موضوعات (Topics) پر مضامین لکھوائیں، اخبارات و رسائل (News Papers & Magazines) سے رابطہ کریں۔ پرنٹ میڈیا (Print Media)، الیکٹرانک میڈیا، سوشل میڈیا اور انٹرنیٹ کے ذریعہ عوام و خواص تک اپنا پیغام (Massage) پہنچانے کی کوشش ہو۔ مختلف شہروں میں منعقد ہونے والے اسلامی اجتماعات اور جلسوں میں وقت طلب کر کے تعلیمی و سیاسی بیداری (بقیہ صفحہ آخر پر)

باغ وبہار

مدارس اسلامیہ کے طلبا و طالبات اور اسکول و کالج کے اسٹوڈنٹس کی قلمی مشق و تربیت کے لیے یہ ایک مستقل کالم ہے۔ اس کالم میں صرف مختصر مضامین {Short Articles} قبول کیے جائیں گے، جو عام فہم ہوں۔ مضمون نگار اپنا نام، ولدیت، سکونت، تعلیم گاہ اور درجہ/کلاس کی تفصیل بھی درج کرے۔ ''باغ وبہار'' کے مضامین اس ای میل پر بھیجیں۔ (ادارہ) tariqueanwer313@gmail.com

ہندوستان کے صدر جمہوریہ

سدرہ فاطمہ بنت عطاء المصطفیٰ عالم شمسی (توپسیا، کلکتہ) کلاس پنجم: الیبنی ہال پبلک اسکول (بنیاپوکھر، کلکتہ)

(۱) ڈاکٹر راجندر پرساد (۱۸۸۴ء-۱۹۶۳ء) مدت: ۲۶/جنوری ۱۹۵۰ء تا ۱۲/مئی ۱۹۶۲ء

(۲) سروپلی رادھا کرشنا (Sarvepalli Radhakrishnan) (۱۸۸۸ء-۱۹۷۵ء) مدت: ۱۳/مئی ۱۹۶۲ء تا ۱۳/مئی ۱۹۶۷ء

(۳) ڈاکٹر ذاکر حسین (۱۸۹۷ء-۱۹۶۹ء) مدت: ۱۳/مئی ۱۹۶۷ء تا ۳/مئی ۱۹۶۹ء (عہد صدارت میں موت ہوگئی)

(۴) وراہا گیری وینکٹا گیری (Varahagiri Venkata Giri) (۱۸۹۴ء-۱۹۸۰ء) مدت: ۳/مئی ۱۹۶۹ء تا ۲۰/جولائی ۱۹۶۹ء (کارگذار صدر)

(۵) محمد ہدایت اللہ (۱۹۰۵ء-۱۹۹۲ء) مدت: ۲۰/جولائی ۱۹۶۹ء تا ۲۴/اگست ۱۹۶۹ء (کارگذار صدر، سابق چیف جسٹس آف انڈیا)

(۶) وراہا گیری وینکٹا گیری (Varahagiri Venkata Giri) (۱۸۹۴ء-۱۹۸۰ء) مدت: ۲۴/ اگست ۱۹۶۹ء تا ۲۴/اگست ۱۹۷۴ء

(۷) فخر الدین علی احمد (۱۹۰۵ء-۱۹۷۷ء) مدت: ۲۴/اگست ۱۹۷۴ء تا ۱۱/فروری ۱۹۷۷ء (عہد صدارت میں موت ہوگئی)

(۸) بسپا دنپا جٹی (Basappa Danappa Jatti) (۱۹۱۲ء-۲۰۰۲ء) مدت: ۱۱/فروری ۱۹۷۷ء تا ۲۵/ جولائی ۱۹۷۷ء (کارگذار صدر)

(۹) نیلم سنجیوا ریڈی (Neelam Sanjiva Reddy) (۱۹۱۳ء-۱۹۹۶ء) مدت: ۲۵/ جولائی ۱۹۷۷ء تا ۲۵/ جولائی ۱۹۸۲ء

(۱۰) گیانی زیل سنگھ (Giani Zail Singh) (۱۹۱۶ء-۱۹۹۴ء) مدت: ۲۵/ جولائی ۱۹۸۲ء تا ۲۵/ جولائی ۱۹۸۷ء

(۱۱) رام سوامی وینکٹا رمن (Ramaswamy Venkataraman) (۱۹۱۰ء-۲۰۰۹ء) ۲۵/ جولائی ۱۹۸۷ء تا ۲۵/ جولائی ۱۹۹۲ء

(۱۲) شنکر دیال شرما (Shankar Dayal Sharma) (۱۹۱۸ء-۱۹۹۹ء) مدت: ۲۵/ جولائی ۱۹۹۲ء تا ۲۵/ جولائی ۱۹۹۷ء

(۱۳) کوچریل رمن نارائن (Kocheril Raman Narayanan) (۱۹۲۰ء-۲۰۰۵ء) مدت: ۲۵/ جولائی ۱۹۹۷ء تا ۲۵/ جولائی ۲۰۰۲ء

(۱۴) اے پی جے عبدالکلام (۱۹۳۱ء-۲۰۱۵ء) مدت: ۲۵/ جولائی ۲۰۰۲ء تا ۲۵/ جولائی ۲۰۰۷ء

(۱۵) پرتیبھا پاٹل (Pratibha Patil) (۱۹۳۴ء-تادم تحریر) مدت: ۲۵/ جولائی ۲۰۰۷ء تا ۲۵/ جولائی ۲۰۱۲ء

(۱۶) پرنب مکھرجی (Pranab Mukherjee) (۱۹۳۵ء-تادم تحریر) مدت: ۲۵/ جولائی ۲۰۱۲ء تا ۲۵/ جولائی ۲۰۱۷ء۔

ورگ وورن اور ہندوستانی فلسفہ

مصباح المصطفےٰ بن کمال ملک بھمور ضلع نوادہ (بہار) کلاس نہم: ہسوا ہائی اسکول، ہسوا ضلع نوادہ (بہار)

ورگ یعنی کسی حیثیت ورتبہ کے اعتبار سے انسانوں کی درجہ بندی ساری دنیا میں پائی جاتی ہے،لیکن ورن، ہندودھرم کے علاوہ دنیا میں کہیں نہیں پایا جاتا ہے۔ ورگ یعنی کسی حیثیت ومرتبہ کے اعتبار سے دنیا میں درجہ بندی موجود ہے، جیسے کوئی امیر ہے تو کوئی غریب ہے۔ جو آج غریب ہے، وہ کل امیر ہوسکتا ہے اور اپنے ورگ سے اوپر اٹھ سکتا ہے۔ اسی طرح جو آج امیر ہے، وہ کل غریب ہوکر اپنے درجہ اور ورگ سے گرسکتا ہے۔ اسی طرح کوئی تعلیم یافتہ ہے تو کوئی جاہل ہے۔ کوئی خوش اخلاق ہے تو کوئی بد اخلاق ہے۔ کوئی طاقتور ہے تو کوئی کمزور ہے۔ اس قسم کی ترتیب ایک فطری درجہ بندی ہے۔

ورن کا مطلب یہ ہے کہ جسے جو درجہ دیدیا گیا ہے، وہ ہمیشہ کے لیے اس کا مقدر ہو گیا۔ اسی کو عام لفظوں میں ذات پات کا نظام کہا جاتا ہے۔ جو شودر ہے، خواہ وہ امیر ہو یا غریب، کمزور ہو یا طاقتور، نیک ہو یا بد، تعلیم یافتہ ہو یا جاہل، شودر چاہے کچھ بھی ہوجائے، وہ کبھی بھی کسی برہمن، چھتری یا ویش کے برابر نہیں ہوسکتا۔ برہمنوں نے پیدائش کی بنیاد پر یہ تقسیم کرکے ہمیشہ کے لیے شودروں کو پیچھے دھکیل دیا ہے۔ برہمنی فلسفہ میں برہمن، چھتری اور ویش دوبارہ جنم لے کرآئے ہیں اور شودر ابھی اپنے پہلے جنم میں ہیں۔ اب اگر شودر اس جنم میں اچھے اعمال کرتا ہے تو وہ اگلے جنم میں اپنے عمل کے اعتبار سے کسی برہمن یا چھتری یا ویش کے گھر جنم لے سکتا ہے۔ اسی امید پر شودروں نے اپنی قسمت کو بنیاد سمجھ کر اس فلسفہ کو قبول کرلیا تھا، حالانکہ شودر اس ملک کے اصل باشندہ تھے اور برہمن، چھتری اور ویش آریہ قوم کی شاخیں ہیں۔ درحقیقت ماضی میں شودروں کے پاس کوئی ایسی قوت بھی نہ تھی کہ وہ اس برہمنی فلسفہ کو توڑ سکیں۔ شودروں کی حکومتوں پر آریوں نے قبضہ کرلیا اور ان کے دل سے بادشاہت وحکومت کی خواہش وخیال نکالنے کے لیے ''ورن'' کا فلسفہ ایجاد کیا، تاکہ وہ ہمیشہ آریوں کی غلامی کرتے رہیں۔

برہمنوں اور آریوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ بنی اسرائیل کا ایک حصہ ہے۔ بہت سی عادات واطوار میں بھی دونوں قومیں ایک دوسرے کی مماثل ہیں۔ برہمنوں نے اپنے لیے گیان کو منتخب کرکے سب سے اونچی منزل پر قبضہ کرلیا ہے۔ یعنی برہمن دھارمک گیان لے بھی سکتے ہیں اور دوسروں کو گیان دے بھی سکتے ہیں۔ اسی طرح مذہبی رسوم انجام دینا بھی برہمنوں کا کام ہے۔ چھتری کے لیے ملک کی حفاظت اور سپہ گری خاص کردی گئی۔ چھتری گیان لے سکتے ہیں، لیکن کسی کو گیان دے نہیں سکتے۔ گیان دینا برہمنوں کا کام ہے۔ ویش کے لیے تجارت وزراعت وغیرہ خاص کردیا گیا۔ وہ نہ گیان لے سکتے ہیں اور نہ کسی کو گیان دے سکتے ہیں۔ ان کا کام تجارت، زراعت، صنعت و حرفت تک محدود ہے۔ شودروں کا کام اوپر کے تینوں ورنوں کی خدمت اور غلامی کرنی ہے۔ دھارمک گیان سے شودروں کا کچھ بھی تعلق نہیں۔

برہمنوں نے ایسا فلسفہ تیار کیا ہے کہ اسے توڑنا قریباً ناممکن سا نظر آتا ہے۔ اب شودروں میں کچھ بیداری آئی ہے، لیکن وہ ''ورن'' کو کس طرح توڑ سکتے ہیں، حالانکہ ورن کے فلسفہ کی مخالفت ہی میں ہندومت کے بطن سے جین اور بدھ مذہب کا وجود ہوا، لیکن یہ مذاہب بھی ورن کا نظام ختم کرنے میں ناکام رہے، گرچہ آج بھی بہت سے باغیرت شودر خود کو ہندو نہیں کہتے، بلکہ بہت سے شودروں نے بدھ دھرم اپنالیا حالیہ چند سالوں میں ملک میں بی جے پی حکومت کے قیام کے بعد بہت سے شودروں نے مذہب اسلام قبول کرلیا ہے، کیونکہ بی جے پی کارکنان اور اس کی ذیلی شاخوں کی جانب سے شودروں پر بھی سخت مظالم کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ قوم مسلم اور عیسائی قوم تشدد پرست ہندوؤں کے اولین شکار ہیں۔ اب دلتوں پر بھی شکنجہ کسا جانے لگا ہے۔ اسی سبب سے ملک میں مسلم ودلت کی قربت بڑھتی جارہی ہے۔ ممکن

ہے کہ عیسائی قوم بھی کبھی اس جمعیت میں شریک ہو جائے، تا کہ اجتماعی طور پر متعصب ہنود کے ظلم وستم کو دبانے کی کوشش کی جا سکے۔

بی جے پی نے حکومت پر قبضہ کرنے کا آسان نسخہ تلاش کر لیا ہے۔ وہ الیکٹرانک انتخابی مشینوں {EVMs} میں کچھ ایسی سیٹنگ کر دیتی ہے کہ جو بھی بٹن دبایا جائے، بی جے پی کو ہی ووٹ جاتا ہے۔ فروری و مارچ ۲۰۱۷ء میں یوپی اور اتراکھنڈ اسمبلی انتخابات میں بی جے پی کی کامیابیوں کے بعد سے ملک بھر میں اس کے خلاف احتجاج ہو رہے ہیں، ریلیاں نکالی جا رہی ہیں، سیاسی پارٹیاں صدر جمہوریہ اور الیکشن کمیشن سے بھی ملاقات کر چکی ہیں، سپریم کورٹ اور دیگر کورٹوں میں بھی اس بارے میں عرضیاں داخل کی جا چکی ہیں۔ سپریم کورٹ نے بھی برقی انتخابی مشینوں کی اصلاح کے لیے نوٹس جاری کیا ہے۔

سال ۲۰۱۹ء کا لوک سبھا الیکشن روز بروز قریب ہوتا جا رہا ہے۔ متعدد سیاسی و سماجی جماعتوں کا مطالبہ ہے کہ بیلیٹ پیپر پر ووٹنگ کرائی جائے۔ اب الیکشن کمیشن کیا اقدام کرتا ہے؟ یا اگلا الیکشن بھی بحث ومباحثہ اور حکمت عملی طے کرنے ہی میں گذر جاتا ہے؟ کیا پھر ایک بار بی جے پی کو مرکزی حکومت پر قبضہ جمانے کا موقع مل جائے گا؟ کیا ملک کو ہندوراشٹر بنانے کا پلان کامیاب ہو جائے گا؟ کیا بابری مسجد کی جگہ رام مندر کی تعمیر کر دی جائے گی؟ کیا قوم مسلم کو دوسرے درجہ کو شہری قرار دیا جائے گا؟ اس طرح کے بہت سے سوالات ہیں۔ اب ایسے نازک موقع پر مسلم قائدین کیا لائحہ عمل اپناتے ہیں؟ یہ ہمیں دیکھنا ہوگا۔

اچھے میاں بیوی کی خوبیاں

صبیحہ نوری بنت منیف عالم رضوی، مرغیا چک سیتامڑھی (بہار) کلاس نہم: سنچینما گرل اسکول، بھدراوتی ضلع شیموگہ (کرناٹک)

اچھے شوہر کی خوبیاں

(۱) بیوی کو اپنے تحفظ کا احساس دلانا اور طلاق سے اسے بے خوف رکھنا۔ بیوی کو بار بار طلاق کی دھمکی نہ دے (۲) اپنی بیوی کو علاحدگی میں کوئی بات سمجھانا۔ سب کے سامنے کوئی بات نہ سمجھائے (۳) اپنی بیوی کی تمام جائز ضروریات کا خیال رکھنا۔ بیوی کو بھی چاہئے کہ آمدنی کے حساب سے ہی شوہر سے مطالبہ کرے (۴) اپنی بیوی کو اچھے نام سے پکارنا۔ ایسے نام سے بیوی کو پکارے جو اسے پسند ہو (۵) بیوی کے حقوق کا لحاظ رکھنا۔ اسی طرح بیوی کو بھی ہر ایک کے حقوق کی ادائیگی کی تلقین کرے (۶) خوشی اور غم میں اپنی بیوی کا ساتھ دینا۔ اسے کسی موقع پر تنہا نہ چھوڑے (۷) اپنی بیوی کو اسلامی شریعت کے مطابق زندگی گذارنے کی نصیحت کرنا۔ بیوی کے لیے اسلامی تعلیم کا انتظام کرے (۸) اپنے گھر کی باتیں گھر سے باہر نہ کہنا۔ گھریلو معاملات گھر تک ہی محدود رکھے (۹) ضرورت کے وقت گھر کے کام کاج میں بیوی کا ہاتھ بٹانا۔ کبھی گھر کے کام اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ بیوی اکیلی اسے پورا نہیں کر سکتی ہے، ایسے موقع پر بوقت ضرورت بیوی کی مدد کرے۔

اچھی بیوی کی خوبیاں

(۱) بیوی کو اسلامی شریعت کا پابند ہونا (۲) پانچوں کی وقت نماز ادا کرنا اور رمضان کے روزہ رکھنا (۳) اپنے خاوند کا حکم ماننا۔ اگر شوہر شریعت اسلامی کے خلاف حکم دے تو اسے رد کرے (۴) اپنے شوہر کی غیر موجودگی میں شوہر کی دولت اور عزت وحرمت کی حفاظت کرنا (۵) اپنے خاوند سے اچھا سلوک کرنا، تا کہ روزمرہ کے تعلقات خوشگوار رہیں (۶) اپنے شوہر کی خوشی وغم میں شریک رہنا (۷) اگر شوہر ناراض ہو جائے تو اسے راضی کرنے اور منانے کی کوشش کرنا (۸) بچوں کی تعلیم وتربیت کا خاص خیال رکھنا (۹) اپنے شوہر سے اچھے طریقے سے بات چیت کرنا، شوہر پر کوئی احسان نہ جتائے، نہ ہی کبھی بلا ضرورت خلع کا مطالبہ کرے۔

ٹاپ ٹین{Top Ten}

محمد کاشف رضا بن عطاء المصطفیٰ عالم شمسی (توپسیا، کلکتہ) کلاس سوم: البینی ہال پبلک اسکول (بنیا پوکھر، کلکتہ)

بھارت کے دس امیر ترین شہر

(۱) ممبئ (۲) دہلی (۳) کلکتہ (۴) بنگلور (۵) حیدرآباد (۶) مدراس (۷) احمدآباد (۸) پونہ (۹) سورت (۱۰) وشاکھاپٹنم۔

بھارت کی دس امیر ترین فیملی

(۱) مکیش امبانی فیملی (۲) دلیپ سنگھوی فیملی (۳) ہندوجا فیملی (۴) عظیم پریم جی فیملی (۵) پالونجی مستری فیملی (۶) کچھی متل فیملی (۷) گودریج فیملی (۸) شیوناڈر فیملی (۹) برلا فیملی (۱۰) سائرس پونہ والا فیملی۔

بھارت کے دس صاف ستھرے شہر

(۱) میسور (کرناٹک) (۲) چندی گڑھ (راجدھانی پنجاب وہریانہ) (۳) تروچناپلی (تمل ناڈو) (۴) دہلی (۵) وشاکھا پٹنم (آندھرا پردیش) (۶) سورت (گجرات) (۷) راجکوٹ (گجرات) (۸) گنگ ٹوک (راجدھانی سکیم) (۹) پنپری چینچ واڑ (پونہ، مہاراشٹر) (۱۰) ممبئ (مہاراشٹر)

بھارت کی دس اعلیٰ تعلیم گاہیں

(۱) انڈین انسٹی ٹیوٹ آف سائنس، بنگلور (کرناٹک) (۲) انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی، دہلی (۳) انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی، ممبئ (مہاراشٹر) قائم شدہ: ۱۹۵۸ء (۴) انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی، کانپور (یوپی) قائم شدہ: ۱۹۵۹ء (۵) انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی، مدراس (تمل ناڈو) قائم شدہ: ۱۹۵۹ء (۶) انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی، کھڑگ پور (اڑیسہ) قائم شدہ: ۱۹۵۱ء (۷) انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی، رڑکی (اتراکھنڈ) قائم شدہ: ۱۸۴۷ء (۸) دہلی یونیورسٹی (دہلی) قائم شدہ: ۱۹۲۲ء (۹) انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی، گوہاٹی (آسام) قائم شدہ: ۱۹۹۴ء (۱۰) کلکتہ یونیورسٹی (کلکتہ) قائم شدہ: ۱۸۵۷ء۔

دنیا کے دس سب سے مالدار ملک: سال ۲۰۱۷ء

(۱) لگزم برگ {Luxembourg} (۲) سویزرلینڈ {Switzerland} (۳) قطر {Qatar} (۴) ناروے {Norway} (۵) یونائیٹیڈ اسٹیٹس آف امریکا {USA} (۶) سنگاپور {Singapore} (۷) ڈنمارک {Denmark} (۸) آئرلینڈ {Ireland} (۹) آسٹریلیا {Australia} (۱۰) آئس لینڈ {Iceland}۔

لندن میں یہودیوں کا اسلامی مدرسہ

محمد سمیع اختر بن کمال ملک بھنور ضلع نوادہ (بہار) کلاس چہارم: گیان بھارتی پبلک اسکول، ہسوا ضلع نوادہ (بہار)

برطانیہ میں مقیم ایک پاکستانی نے اپنے ایک برطانوی عیسائی دوست سے کہا کہ یہاں مجھے کوئی عجیب چیز دکھاؤ، جہاں ہم پکنک منا

سکیں۔ عیسائی دوست راضی ہوگیا۔ انگریز دوست نے ایک جگہ جانے کا پروگرام بنایا اور اپنے مسلمان دوست کے لیے وہاں جانے کے لیے اجازت نامہ حاصل کرلیا اور وہ انگریز پاکستانی مسلمان کو بتایا کہ وہ اسے بہت پراسرار جگہ لے جائے گا۔ وقت مقررہ پر دونوں اپنی گاڑی سے اس پراسرار مقام کی طرف روانہ ہوگئے۔ وہ دونوں ایک لمبے سفر کے بعد ایک جنگل پہنچے۔ پاکستانی مسلم کا بیان ہے کہ میں نے جنگل میں فوجی چھاؤنیاں دیکھی، جگہ جگہ ہماری چیکنگ ہوئی اور اجازت نامہ دیکھا گیا۔ ایک جگہ پہنچ کر ہماری گاڑی روک دی گئی۔ میرے دوست نے بتایا کہ اب ہمیں اپنی گاڑی چھوڑنی پڑے گی۔ اس سے آگے ہمیں فوجی گاڑیوں پر مطلوبہ جگہ جانا ہوگا اور ایک چیز کا خیال رکھنا کہ وہاں کسی سے کچھ سوال نہیں کرنا ہے، بس خاموشی کے ساتھ دیکھتے ہوئے آگے بڑھ جانا ہے۔

انٹری گیٹ سے گذر کر ہمیں گاڑی سے اتار دیا گیا۔ اندر بہت سی عمارتیں تھیں۔ پیدل چلتے ہوئے ہم ایک عمارت میں داخل ہوئے، جہاں کلاس روم بنے ہوئے تھے۔ کلاسوں میں بچے قرآن مجید حفظ کررہے تھے۔ کسی کلاس روم میں عربی، فارسی، تفسیر وحدیث اور فقہی مسائل پڑھائے جارہے تھے۔ الغرض ان تمام کلاسوں میں اسلامی دینی تعلیم پڑھنے پڑھانے کا انتظام تھا۔ کچھ دیر بعد یہ سب کچھ دیکھ کر ہم لوگ واپس ہوئے۔ ہم لوگ فوجی چوکیوں کو پار کر کے اپنی گاڑی میں سوار ہوکر جنگل سے باہر آگئے۔

جنگل سے باہر آکر انگریز دوست سے میں نے کہا کہ یہ کونسا عجوبہ تھا؟ اس طرح کے اسلامی مدارس تو پاکستان میں بہت ہیں، اگر یہی دیکھنا تھا تو میں پاکستان میں دیکھ لیتا۔ میری بات سن کر انگریز دوست مسکرایا اور کہا۔ یہ ایک عجوبہ ہی ہے۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ یہاں جانے کے لیے ہماری کتنی چیکنگ ہوئی، جگہ جگہ ہمارا اجازت نامہ دیکھا گیا۔ بہت تفتیش کے بعد یہاں آنے کی اجازت ملی۔ یہاں جو بچے قرآن وحدیث اور اسلامیات پڑھ رہے ہیں، وہ تمام یہودی بچے ہیں۔ انہیں عرب وعجم کے مسلم ممالک کے لیے تیار کیا جاتا ہے، تاکہ وہاں وہ مسلمان بن کر اسلام کے خلاف تخریب کاری کریں۔ یہ سب کچھ سن کر پاکستانی مسلم کو بڑا تعجب ہوا۔

مسلمانو! آج دنیا کے مسلم ممالک میں طرح طرح کے فسادات ہورہے ہیں۔ مسلم نوجوانوں کو دہشت گردی کے لیے اکسایا جارہا ہے۔ قوم مسلم کو اسلامی احکام سے دور کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ کیا یہ سب یونہی ہورہا ہے، یا اس کے پس پردہ کوئی منظّم قوت کام کررہی ہے؟

بیٹھ کر پانی پینا سنت ہے

محمد فیضان رضا بن منیف عالم رضوی، مرغیا چک سیتامڑھی (بہار) کلاس نہم: ایم ڈبلیو اے اسکول، چنتامنی (کرناٹک)

پانی بیٹھ کر پینا سنت ہے۔ کھڑے ہوکر پانی کے بہت نقصان ہیں۔ مذہب اسلام نے ہمیں بہت پہلے ہی اس طریقہ سے ہمیں منع فرمایا۔ پانی ہمیشہ گلاس سے پینا چاہئے۔ بوتل سے پانی نہیں پینا چاہئے۔ کھانا کھانے بعد فوراً پانی نہ پئیں۔

کھڑے ہوکر پانی پینے کے نقصانات

(۱) معدہ خراب ہونا (۲) ایسڈ کی مقدار کا بڑھ جانا (۳) کڈنی خراب ہونے کا خوف (۴) پیشاب کی بیماریاں (۵) نسوں میں تناؤ آنا (۶) گٹھیا کا مرض ہونا (۷) سینہ میں جلن ہونا (۸) پیاس نہ بجھنا (۹) جوڑوں میں درد ہونا (۱۰) ایسیڈٹی ہونا۔

صبح سویرے نہار منھ یعنی خالی پیٹ ان چیزوں کا کھانا فائدہ مند ہے۔

(۱) شہد: یہ نظام ہضم اور قوت مدافعت کو بہتر بناتا ہے اور جسم کو وائرس اور بیکٹیریا سے بچاتا ہے۔

(۲) تربوز: یہ دل، جلد اور شوگر کے مریضوں کے لیے مفید ہے۔

(۳) خشک میوہ جات: یہ السر کا خطرہ دور کرتے ہیں اور معدہ کی تیزابیت کو معمولی سطح پر رکھتے ہیں۔
(۴) انڈا: جسم کو درکار غذائی اجزا فراہم کرتا ہے۔ ابلا ہوا یا تلا ہوا ہر قسم کا انڈا فائدہ مند ہوتا ہے۔
(۵) دلیہ: ناشتہ میں دلیہ بہترین غذا ہے۔ یہ معدہ کی حفاظت کرتا ہے اور معدہ کو تیزابی اجزا سے محفوظ رکھتا ہے۔

صبح سویرے نہار منہ یعنی خالی پیٹ ان چیزوں کو کھانے پینے سے نقصان ہوتا ہے۔

(۱) سافٹ ڈرنکس: یوں بھی سافٹ ڈرنکس کم استعمال کریں۔ یہ خالی پیٹ معدہ اور غذائی نالیوں کو نقصان پہونچا کر جلن کا سبب بنتا ہے۔
(۲) کھٹے پھل: نہار منہ نارنگی، لیموں، ٹماٹر وغیرہ کھٹے پھلوں کو کھانے سے پیٹ میں جلن ہوتا ہے۔
(۳) کافی: خالی پیٹ کافی پینے سے معدہ خراب ہوتا ہے۔
(۴) جوس: پھلوں کا جوس فائدہ مند ہے، لیکن خالی پیٹ نہیں پینا چاہئے۔
(۵) مصالحہ دار غذائیں: خالی پیٹ مصالحہ دار غذاؤں کے کھانے سے معدہ میں جلن اور گیس ہوتا ہے۔
(۶) دہی: خالی پیٹ دہی نہیں کھانا چاہیے۔

(باقی صفحہ ۴۷)
کی کوشش کی جائے۔
(5) ہندوستان کے مسلم بادشاہوں سے متعلق جھوٹی کہانیاں بنا کر ہندو، مسلم کے مابین نفرت پھیلائی جاتی ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ مسلم بادشاہوں نے بہت سے مندروں کو توڑا، ہندوؤں کو زبردستی مسلمان بنایا، ہندوؤں پر بہت ظلم ڈھایا۔ ان سب الزامات کی تردید معتبر تواریخ کی روشنی میں کی جائے۔ ان امور سے متعلق انگلش میں مضامین لکھوا کر ہندوستان کے مشہور انگلش اخبارات ورسائل میں ہر ماہ ایک مضمون ضرور پرنٹ کرایا جائے، تاکہ میڈیا میں اصل حقائق سامنے آسکیں۔ اسی طرح اردو اخبارات ورسائل میں بھی ان مضامین کو شائع کیا جائے، تاکہ خود مسلم قوم بھی اصل حقیقت سے واقف ہو سکے۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

(باقی صفحہ ۳۸) توعظیم مدارس و جامعات پر تالے لگ جائیں۔ 6 / دسمبر ۱۹۹۲ء کو بابری مسجد کی شہادت کے بعد ممبئ اور ملک بھر میں فسادات ہوئے۔ نتیجہ کے طور پر اتر پردیش کے بہت سے عظیم مدارس میں جدید طلبا کا داخلہ بند ہو گیا تھا۔
مساجد و مدارس کی تعمیر، غربا و مساکین کی کفالت، ریلیف فنڈ، تعلیم وشادی وغیرہ کے لیے اہل حاجت کا تعاون، اسی طرح دیگر امور ضروریہ کی انجام دہی کے لیے دولت وثروت کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اگر علمائے کرام بھی جائز طریقوں پر حصول نعمت کی کوشش کریں تو کیا مضائقہ ہے؟ منفی خیالات میں تبدیلی لائی جائے۔ ہم اپنے خطابات میں غربت وتنگدستی کے فضائل اور دولت وثروت کے مفاسد بیان کرتے رہیں، پھر مدارس ومساجد کی رسیدیں لے کر ارباب ثروت کے دولت کدوں پر دستک دیتے پھریں، معاملہ بالکل ناقابل فہم ہے۔
ضروری مقدار میں دینی تعلیم حاصل کرنا شرعاً واجب ہے، اور عہد حاضر میں معاشی ترقیات کے لیے عصری تعلیم حاصل کرنا لازم ہے۔ پس دونوں رخ پر سنجیدگی سے غور وفکر کیا جائے۔ یکطرفہ جانا اور حالات حاضرہ سے آنکھیں بند کر لینا وقت کی مصلحت اور زمانہ کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ واللہ الہادی وہو المستعان۔

R.N.I. NO. DELURD/2015/65657
Posted at Delhi RMS
Postal Registration DL (DG-11) 8085/2016-18
Publishing Date : 20
Same Month
Total 56 Pages With Title Cover
Weight 95 grams
Posting Date : 21 & 22

Paigam E Shariat

Monthly
Vol: - 02, Issue : 22 August - 2017

Owner, Publisher & Printer
Mohammad Qasim
Chief Editor
Faizanul Mustafa Qadri

Printed at : **M/s Ala Printing Press**
3636 Katra Dina Baig, Lal Kuan, Delhi-110006
Published from : H.No. 422, 2nd Floor, Gali Sarotey wali, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-110006